بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون
(القرآن)

انسانی اعضا کی پیوند کاری اور اسکے شرعی احکام

تصنیف

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہم العالی

رئیس دارالافتاء واستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

ادارۃ القرآن | اسلامی کتب خانہ

۴۳۷-ڈی لسبیلہ کراچی | علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U47263

[redacted] 19-3-97

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب .... انسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید

مصنف ..... جناب مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی مفتی دارالافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۵

کتابت ..... حافظ عبد الستار واحدی

نظرِ ثانی ..... مولانا سعید احمد جلالپوری معاون مدیر ماہنامہ بینات

تعداد اشاعت ۱۱۰۰

47263

سن طباعتِ اولیٰ ۱۴۰۷ھ

طباعتِ ثانیہ .... ۱۴۱۱ھ ۔ طباعت ثالثہ ۱۴۱۶ھ

قیمت ....

ناشر ... اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۵

مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ☎ 7210488 مکتبہ 7223088

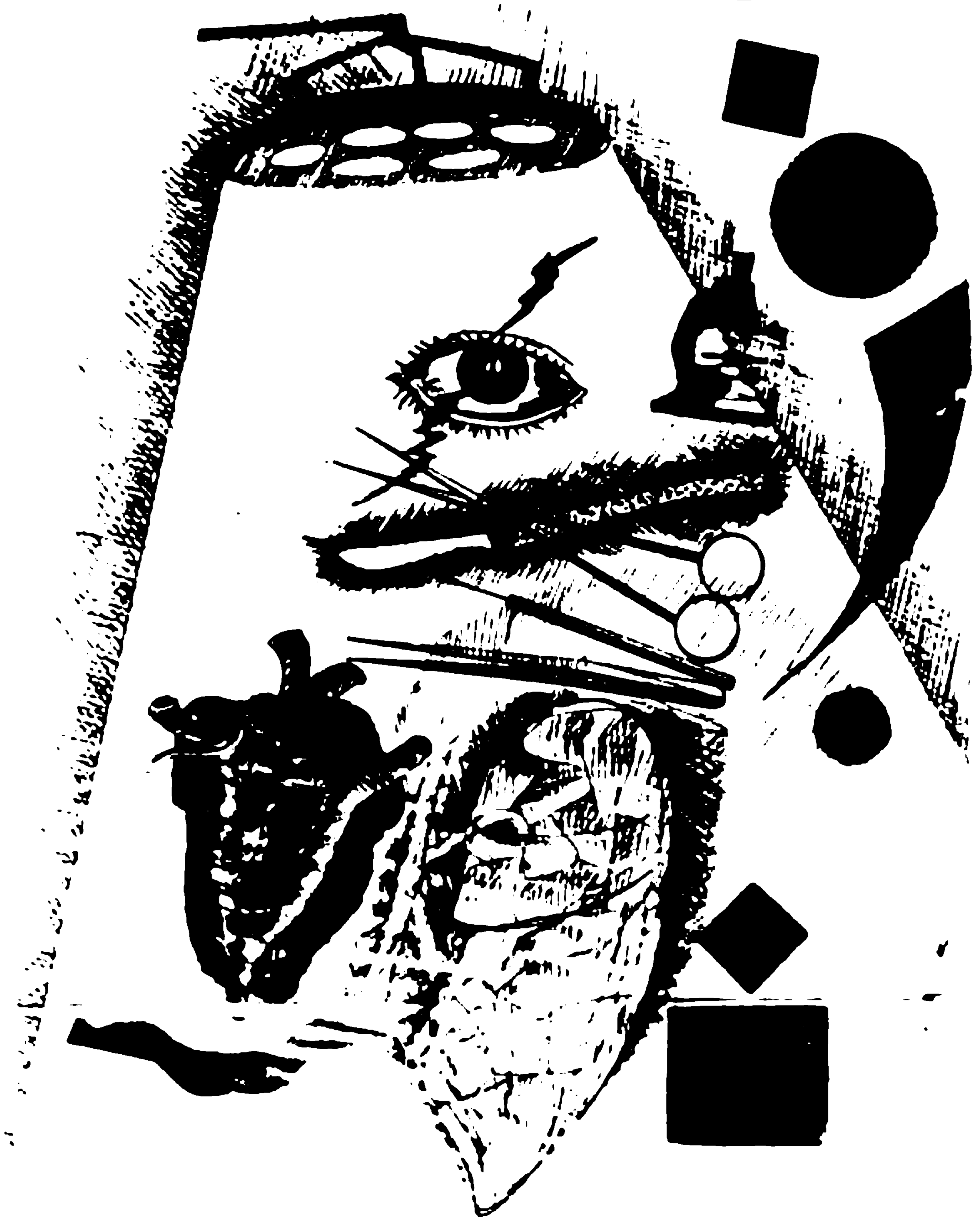
فہرست مضامین

عرضِ ناشر

الحمدللہ! اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کو اس بات پر بڑا فخر ہے کہ اب تک درسی و غیر درسی کئی کتابیں مکتبہ سے شائع ہو کر اہلِ علم علماء اور طلباء اور عام لوگوں کے ہاتھوں پہنچ چکی ہے۔

زیرِ نظر کتاب "انسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید" تصنیف جناب مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب، اپنے موضوع پر انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب "امانتِ خداوندی" کے عنوان سے اقرأ ڈائجسٹ کراچی میں سات قسطوں میں شائع ہو چکی ہے۔ مصنف موصوف نے نہ صرف اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے مسائل پر مدلل بحث کی ہے بلکہ اس سلسلہ میں جدید طبقۂ اہلِ علم اور ڈاکٹروں کے بعض شبہات کے علمی اور تحقیقی جوابات بھی دیئے ہیں، اس اعتبار سے کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ جس کو پہلی بار ہم نے تین سال قبل ۱۴۰۷ھ میں اپنے ادارہ "اسلامی کتب خانہ" کی طرف سے شائع کیا تھا۔ بحمدللہ! کتاب کو جس قدر تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہوا اس پر ہم جتنا اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ اب اس کی دوسری اشاعت میں اغلاط کی تصحیح کے علاوہ بعض اہم اضافے کر دیئے گئے ہیں۔

بحمدللہ! کتاب مضمون و زبان کے اعتبار سے ایک مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظات

تقریظ: از حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی مدظلہم شیخ الحدیث ورئیس دارالافتا جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵ — از حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مہتمم مدظلہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اما بعد۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔	"اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر"

یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق تدبیر وعقل وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی واخروی مضار ومنافع کو سمجھتا اور اچھے، برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں، دوسری مخلوقات کو

قابو میں لاکر اپنے کام میں لگاتا ہے، خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا ہے، اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے، قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیوی آسائش اور رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے انہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوعِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔

اوپر کے رکوع میں آدمؑ کی نسبت شیطان کا (هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ) کہنا، اور ملائکہ کا آدمؑ کو سجدہ کرنا، اور پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرنا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامینِ مذکورۂ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے۔

نوامیس اور شرائع انسان کی عزتِ نفس اور فضیلت پر مدار رکھ کر عطا کی گئیں، آخری شریعت جو خلاصہ ہے اور کمال ہے سارے نوامیس اور شرائع کا عزتِ نفس کو ہر مسئلہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

انسان کا جسم جو صنعتِ الٰہی کا شاہکار ہے، انسان کو مالک نہیں بنایا گیا بلکہ انسان کے پاس امانت ہے۔ اور اس کا مالک اللہ تبارک و تعالیٰ ہے جسم اور روح کا تعلق ختم ہونے کے بعد کرامتِ انسانی برقرار رہتی ہے۔ انسانی نفس کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ کرنا ناجائز ہے، عزت و احترام کے ساتھ غسل دینا اور کفن پہنانا ضروری ہے۔ گہری قبر کھودنا تاکہ جانوروں کی دستبرد سے بچ جائے ضروری ہے، ضرورت کے موقعہ پر دو تین آدمیوں

کو اگر ایک ہی قبر میں دفن کرنا پڑے، اور کفن پہنانا ضروری ہے تو کفن کو چاک کر کے الگ کفن دیا جائے، ایک کفن میں دو کو دفن کرنے کا حکم نہیں ہے، پھر اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ پوسٹ مارٹم کے لئے نعش کی بے حرمتی کی جائے۔

الغرض جس طرح زندگی میں انسانی کرامت کی پاسداری ضروری ہے مرنے کے بعد کرامت اور عزت میں مزید شدت ہو جاتی ہے۔

بعض صورتوں میں بعض خصوصی احکام بھی آجاتے ہیں، ایک صحابی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حج بیت اللہ کر رہے تھے، اونٹ سے گر پڑے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی، حضور اکرم ــــــ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لاتخمروہ فانہ یبعث یوم القیٰمۃ ملبیا"، یعنی اس کے چہرے کو نہ ڈھانپو کیونکہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت ابن عباسؓ نے اپنی خالہ کے جنازہ کو دیکھا، اور کہا کہ اس کو ادب واحترام کے ساتھ اٹھاؤ، یہ حکم عام ہے ام المؤمنین ہونے کی وجہ سے مزید تاکد اور شدت کا حکم دیا گیا۔

ایک صاحب جہاد کر رہے تھے زخمی ہوئے اور ناقابلِ برداشت تکلیف ہوئی، ہاتھ کی رگیں کاٹ لیں اور اللہ کے پاس چلے گئے، خواب میں دکھایا گیا کہ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھوں کیلئے خصوصی دعا فرمائی۔

مذکورہ بالا نصوص وروایات اور اس قسم کی دوسری نقولِ شرعیہ اس بات

کے لئے واضح ثبوت ہیں کہ انسان اور انسانی اعضاء بہت ہی قابلِ احترام ہیں اور اس کے پاس من جانب اللہ امانت ہیں، لہٰذا انسان اپنے جسم وجان اور اعضاء کے اندر ایسا کوئی تصرف نہیں کر سکتا جو کہ احترام انسانی کے منافی ہو، اور جس سے امانتِ خداوندی میں خیانت لازم آتی ہو۔

زیرِ نظر کتاب "انسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید" تصنیف مولانا مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی، رفیق دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، اس سلسلہ میں نہایت ہی جامع کتاب ہے۔ جس میں مولانا موصوف نے انسان کی عظمت اور اس کا امانتِ خداوندی ہونا، اور اعضاء انسان کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت اور فقہاء کرام کی آراء کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے جملہ شبہات کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی کوششوں کو قبول فرمائیں اور اس کتاب کو نافع اور موجبِ اجر وسببِ نجات بنائیں۔

(مفتی) احمد الرحمٰن (صاحب مدظلہ)
مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵
۵ رمضان ۱۴۰۷ھ

(مفتی) ولی حسن ٹونکی (صاحب مدظلہ)
رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم
الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵
۸ شعبان ۱۴۰۷ھ

تقریظ از حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہم العالی مدیر اعلیٰ ماہنامہ بینات و استادِ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

حق تعالیٰ شانہٗ انسانی فطرت کے خالق بھی ہیں، اور اس کی خیر و برکات کے عالم بھی، اس حکیم مطلق نے انسانی فطرت کو نازک ترین احساسات کا پیکر، حسین خواہشات کا منبع اور لاتعداد ضروریات کا مجمع و مرکز بنایا ہے انسانی فطرت کے بے شمار دقیق پہلو ایسے ہیں کہ انسانی دماغ کی کوئی خوردبین بھی ان کا ادراک نہیں کر سکتی ہے، جس صانع حکیم نے انسانی نفسیات کی مشین ساخت کی۔ اس نے غایتِ شفقت و رحمت سے اس کے طریقہ استعمال کی کتاب بھی ساتھ بھیجی، تاکہ اس مشین کو اس کی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اس احسن الخالقین نے جو علیم و خبیر بھی ہے اور شفیق و کریم بھی، اپنی نازل کردہ شریعتِ عادلہ میں انسانی فطرت کے اُن دقیق پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے۔ جن کا احاطہ دنیا بھر کے انسانی دماغ مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ اور اس کے ذریعہ انسانی خواہشات اور ضروریات میں ایسا اعتدال و توازن قائم فرمایا ہے کہ انسانی دماغ اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انسانی مشین کے استعمال کرنے والے اسے صانع و خالق کے بتائے ہوئے طریقہ استعمال کے بجائے خود اپنی رائے۔

اپنی خواہش اور اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔

عجلت پسندی انسان کا طبعی خاصہ ہے " وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا "

(وہ اپنی اسی عجلت پسندی کی بنا پر " اَلْعَاجِلَة " کو " الآخرة " پر ترجیح دیتا ہے)۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آوے چھوڑتے

وَتَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ۔ (القیامۃ) ہو جو دیر میں آئے۔

وہ جس چیز میں " جلدی کا نفع " دیکھ لیتا ہے فوراً اس کی طرف لپکتا ہے خواہ اس کا انجام و نقصان کیسا ہی ہولناک ہو، اس کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ قانون کو ایک یا چند افراد کے ذاتی منافع کی میزان میں تولتا ہے، صرف یہ دیکھتا ہے کہ فلاں قانون سے ایک یا چند افراد کو کیا نفع پہنچے گا، یہ نہیں دیکھتا کہ پوری انسانیت پر اس کے اثرات کیا ہوں گے۔

اس کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی الف و عادات کا اسیر اور اپنے ماحول و معاشرہ کا پابند ہے، وہ اپنی الف و عادت اور اپنے ماحول و معاشرہ ہی کو عقل و فطرت کا مظہر، اور حق و باطل کا معیار سمجھتا ہے، اور اس سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کرنے سے معذور ہے۔

دورِ جدید میں طبی سائنس کی ترقیات نے جہاں اور بہت سے مسائل پیدا کئے ہیں وہاں ایک اہم ترین سوال یہ کھڑا کیا ہے کہ کیا انسانی اعضاء میں تصرف، ان کی چیر پھاڑ، ان کی پیوندکاری اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے؟ اس سلسلہ میں بہت سے لوگ ان معیاروں پر فتویٰ دے

رہے ہیں جن کا ذکر اوپر کی سطور میں کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں جناب مفتی محمد عبدالسلام صاحب (مفتی دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) نے قرآن وسنت اور ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلہ کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اس سلسلہ میں جتنے شبہات پیش کئے جاتے ہیں، یا مغالطے دیئے جاتے ہیں ایک ایک کر کے ان کو صاف کر دیا جائے۔ الحمد للہ اس مسئلہ پر دُررِ نقول کا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس عجالہ کو امت کے لئے نافع بنائیں، اور شرفِ قبول سے نوازیں۔ آمین۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّآخِرًا

(مفتی) محمد یوسف عفا اللہ عنہٗ

۲۲،۷،۱۴۰۸ھ

ابتدائیہ از مصنف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔
اَمَّا بَعْدُ!

اعضائے انسانی کی پیوندکاری اور اعضائے انسان کی چیر پھاڑ اور اس کی خرید و فروخت اور اس کی وصیت کرنا، تعلیمی ضرورت کے لئے انسانی اعضاء کا استعمال، موت و سبب موت معلوم کرنے کے لئے (پوسٹ مارٹم) جسم انسانی کی قطع و برید وغیرہ مسائل جدیدہ کے بارے میں عرصہ دراز سے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں سوالات آتے رہے اور دارالافتاء کی جانب سے اختصار کے ساتھ شرعی فتویٰ دیا جاتا رہا ہے۔

مسلم طبقہ کی اکثریت دین اسلام کی روشنی میں اہل علم اور علمائے دین سے فتویٰ حاصل کرکے اس کے بارے میں اقدام کرتی رہی چنانچہ اس سلسلہ میں چند سال قبل کراچی کی مجلس مسائل حاضرہ نے دو مسائل یعنی انسانی خون کا استعمال۔ اعضائے انسان کی پیوندکاری کا شرعی فتاویٰ

امت کے سامنے پیش کئے۔ اور مسلمانوں کی اکثریت نے اس کو تسلیم کیا اور اُسوقت مجلس مسائل حاضرہ کراچی میں محقق العصر و مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، و محدث العصر و فقیہ الامت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، محترم المقام حضرت العلام مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت الاستاذ فقیہ النفس مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی مدظلہم العالی جیسے اکابر علماء کرام شامل تھے۔

مجلس مسائل حاضرہ کراچی نے ان مسائل میں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اور جدید تقاضوں اور حالات کو دیکھتے ہوئے جو تحقیقی جواب تحریر فرمایا تھا اُسے ایک رسالہ "اعضاء انسانی کی پیوندکاری" کے نام سے شائع کیا گیا اور ہند و پاک کے تمام علماء محققین نے اس تحقیقی و شرعی فتویٰ کو سراہا۔

ظاہر ہے کہ یہ مسائل تحقیق طلب تھے اور جن علماء و مفتیانِ کرام نے تحقیق کی ہے وہ اہلِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ تحقیق تھے تو صاحب ورع بھی، نیز شریعت اسلامیہ کے مزاج شناس تھے۔ آج اُن حضرات میں سے دو بڑی شخصیتیں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی ہیں، دوسرے حضرات اب بھی بقیدِ حیات ہیں اب تک ان کو سابقہ جواب کے بارے میں کوئی شبہ یا تردد پیدا نہیں ہوا۔

اس وقت جب ان مسائل میں وسعت پیدا ہوگئی ہے اور بعض جدید تعلیم یافتہ ڈاکٹر حضرات جس طرح اس سے قبل زمانہ اور حالات سے متاثر ہو کر اعضاء انسانی کے بارے میں شرعی فتویٰ اور حکم شرعی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اعضاء انسانی کی پیوندکاری اور انسانی اعضاء کی قطع و برید کرتے

ہے صاحب انسانی ہمدردی کے نام سے اس کاروبار کو ڈھالنے اور پھیلانے کی عملی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اعضاء انسان کو محفوظ کرنے کے لئے جس طرح بعض مغربی ممالک میں بینک موجود ہیں اور وہاں پر انسانی اعضاء کی تجارت کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی یہ کاروبار شروع ہو رہا ہے، خواہ اس کے ضمن میں قرآن و حدیث میں کتنی تحریف و ترمیم کرنی پڑے۔ اور احکام شرع میں کیسی ہی تبدیلی لانی پڑے لیکن مسلمانوں کا ایک معتدل طبقہ ایسا بھی ہے جو ہر زمانہ میں کسی حال میں بھی قرآن و حدیث میں تحریف کا قائل نہیں اور قرآن و حدیث کے منصوص احکام اور فقہ اسلامی اور امت کے اتفاق و اجماع سے ثابت شدہ مسائل میں تبدیل و ترمیم کے حق میں نہیں ہے۔ اور یہ طبقہ ان جدید مسائل کو تو تسلیم کرتا ہے جن کی قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی اجازت دیتی ہے ورنہ خلاف شریعت امور میں زمانہ کا ساتھ دینے اور چلنے پر وہ راضی نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض احباب نے "دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ" کو خصوصاً اور مجلس مسائل حاضرہ کراچی کو عموماً اعضاء کی پیوندکاری سے متعلق جدید مسائل پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ مجلس نے حالات حاضرہ کے پیش نظر امت مسلمہ میں اس وقت جو ایک اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے اسے دور کرنے اور شرعی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے مجھے اور دار العلوم کورنگی کراچی سے محترم مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب کو اس بارے میں تحقیق کرنے کا حکم دیا۔

اسی غرض سے دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے

رفقار کار نے حضرت اقدس مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی، مفتی اعظم پاکستان کی زیرِ سرپرستی اعضاءِ انسان سے متعلق تمام جدید مسائل کا جائزہ لیا اور مجلس میں اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری و دیگر مسائل کے جواز میں فتویٰ دینے والے مصری، سعودی، اردن اور بعض پاکستان کے علماء کرام کے جوابات اور ڈاکٹروں کی تحریرات پر تفصیلی بحث ہوئی۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے رفقاء کار بحث و تمحیص کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اعضاءِ انسانی کے سلسلے میں مسائل حاضرہ کراچی نے اس سے قبل جن دو مسئلوں پر تحقیقی فتویٰ دیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ کہ اعضاءِ انسانی کی قطع و برید اور اس کی پیوندکاری ناجائز اور حرام ہے۔ اور خون کا استعمال ضرورت شدیدہ اور اضطراری حالت میں جائز ہے۔

اور ہمارے جملہ رفقاء کار نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اس رسالہ اعضاءِ انسانی کی پیوندکاری پر کئے جانے والے تمام شکوک و شبہات اور معترضین کے اعتراضات شرعی نصوص اور فقہی جزئیات کے فقدان اور شرعی اصول و فروع کے خلاف ہونے کی بناء پر ناقابلِ اعتماد بلکہ غلط ہیں۔ نیز عرب ممالک کے دارالافتاء اور دینی اداروں سے شائع ہونے والے فتاویٰ میں بھی مسائل متعلقہ کے بارے میں واضح دلائل اور فقہی جزئیات نہ ہونے کے باعث انہیں خلافِ تحقیق اور خلافِ شرع قرار دیا ہے۔ اسی طرح بعض پاکستانی اربابِ قلم نے رسالہ "اعضاءِ انسانی کی پیوندکاری"، میں ذکر کردہ جزئیات پر جو اعتراضات کئے ہیں انہیں بالکل سطحی اور غیر تحقیقی قرار دیتے ہوئے اس میں بحث و تمحیص کو کارِ فضول قرار دیا ہے۔ لیکن ان حضرات کی تحریر سے چونکہ سادہ لوح مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں اس لئے

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی مجلس نے فیصلہ کیا کہ ان حضرات کے اعتراضات اور شبہات کے بنیادی مغالطوں کی نشاندہی کرکے ان کے شکوک و شبہات کو دور کر دیا جائے۔ اور مسائل جدیدہ کے لئے ممکن سے ممکن حل تلاش کیا جائے۔ اس بارے میں مجلس حاضرہ کراچی کی جانب سے تحقیقی اور مختصر جواب تو لکھا جا چکا ہے اسے آخری اور حتمی شکل دینے کے بعد انشاء اللہ جلد شائع کر دیا جائے گا۔

حسن اتفاق کہ اسی سلسلہ میں ہمیں "اقرأ ڈائجسٹ" کی طرف سے ایک سوال نامہ اور اس کے ساتھ کچھ رسائل جن میں اعضا کی پیوندکاری کے بارے میں جواز کی رائے اور اس پر دلائل قائم کئے گئے ہیں موصول ہوئے۔ بندہ نے اولاً تو ان سوالات کے جوابات دئے ہیں۔ اور اس کے بعد اعضا کی پیوندکاری کو جائز کہنے والوں کے دلائل کے جوابات دئے ہیں۔ اس کے بعد اعضاء کی پیوندکاری کو جائز کہنے والوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے چند مغالطوں کے جوابات تفصیل سے لکھے ہیں۔ بعض احباب نے خواہش ظاہر کی کہ اس تحقیقی اور مفصل مضمون کو افادۂ عام کے لئے الگ کتابی شکل میں شائع کیا جائے امت کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اور ایک متلاشی حق کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گا اور جو لوگ غلط فہمی کی وجہ سے اس گناہ کے مرتکب ہیں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

اسی لئے بندہ نے اصل مضمون تو مدیر اقرأ ڈائجسٹ مولانا جمیل خان صاحب کو دے دیا تاکہ اس کو احباب کی خواہش کے مطابق افادۂ عام کے لئے اقرأ میں دیا جا سکے۔ مگر مضمون کے شروع میں اس سوالنامہ کو بھی رکھ دیا گیا تاکہ قارئین کرام ترتیب کے ساتھ سوالات کے جوابات حاصل کر سکیں۔

(انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے سلسلے میں)

سوالنامہ

(۱) طب جدید (ڈاکٹری علاج) کی تعلیم انسانی جسم کی قطع و برید کے بغیر ممکن نہیں۔ کیا حصول تعلیم کے لئے انسانی لاش کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) کی اجازت ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو کن دلائل کی بنیاد پر؟

(۲) موجودہ دور میں اسی طریقۂ علاج کی بنا پر قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں وجوہات قتل کا پتہ بغیر پوسٹ مارٹم کے ممکن نہیں، کیا ان وجوہات کے لئے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی جاسکے گی یا نہیں؟

(۳) اسی طریقۂ علاج میں مختلف اعضاء کی اصلاح کے لئے جسم کو چیرا اور پھاڑا جاتا ہے اور اعضاء جسم سے ——— چند گھنٹوں کے لئے علیحدہ کر لئے جاتے ہیں اور بعد میں تمام اعضاء کو اپنی ہئیت پر جوڑ دیا جاتا ہے اور اس تمام عمل سے پہلے مریض اور اس کے لواحقین سے اس کی موت کے بارے میں برأت کی تحریر لکھوالی جاتی ہے۔

(۴) مختلف آپریشنوں میں بعض رگوں یا شریانوں یا مختلف پردوں اور جھلیوں کے ناکارہ ہونے کی صورت میں اسی انسان کی دوسری جگہ کی شریانیں یا رگیں یا پردے وغیرہ لگادیئے جاتے ہیں کیا شرعاً اس تبدیلی کی اجازت ہوگی؟۔

(۵) جسم کے مختلف حصوں کی جلد یا گوشت کے خراب ہونے کی صورت میں اسی شخص کے جسم کے دوسرے حصہ کی جلد یا گوشت کو لگا کر اس حصہ کو ٹھیک کر دیا جاتا ہے جسے سرجری کہتے ہیں کیا شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟۔

۶ انسان کے ناکارہ اعضاء کی جگہ مصنوعی اعضاء لگائے جاسکتے ہیں یا نہیں ؟۔

۷ مصنوعی اعضاء کا کچھ حصہ ایسے جانوروں کا ہو جو نجس کے زمرہ میں آتے ہیں کیا ایسے مشترکہ مصنوعی اعضاء کا لگانا درست ہوگا یا نہیں مثلاً دل کے ایک پمپ کی جگہ پلاسٹک کا ایک ایسا پمپ لگادیا جائے جس کی ایک جھلی سُور کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

۸ حلال جانوروں کے مختلف اعضاء کا انسانی جسم کے ناکارہ اعضاء کی جگہ لگانا کن کن صورتوں میں جائز ہوگا ؟

۹ آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کے استعمال کی کوئی صورت ہے یا اس کے جواز کی کوئی وجہ مل سکتی ہے ؟ ۔

۱۰ دل، گردے، پھیپھڑے وغیرہ کے ناکارہ ہونے کی صورت میں کیا دوسرے انسان کے یہ اعضاء اسکی جگہ لگائے جاسکتے ہیں یا نہیں ؟

۱۱ ایسے اعضاء جو انسانی جسم میں دو دو ہیں کیا کوئی شخص اپنی زندگی میں ان میں سے ایک عضو کسی دوسرے انسان کی جان بچانے کے لئے دے سکتا ہے ؟ ۔

۱۲ انسان کی موت کے بعد اس کے اعضاء جسمانی دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لئے کام میں لائے جاسکتے ہیں ؟

۱۳ کیا انسان اپنے اعضاء کے عطیہ کی وصیت کر سکتا ہے ؟

۱۴ کیا انسان زندگی میں اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

ترتیب وار سوالات کے شرعی جوابات

سب سے پہلے ہم ترتیب وار سوالوں کے جوابات دیتے ہیں، اس کے بعد اعضاء انسان کی پیوند کاری کے مجوزین کے مغالطوں کی نشاندہی کرکے انشاء اللہ ان پر تفصیلی بحث کریں گے۔

جواب ۱ :- اس سوال کے تین اجزاء ہیں۔

(الف) طبِ جدید (ڈاکٹری تعلیم) انسانی جسم کی قطع و برید کے بغیر ممکن نہیں۔

(ب) طبِ جدید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انسانی جسم کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

(ج) اگر اجازت نہیں تو کن دلائل کی بنیاد پر۔

اس سوال کا آخری جز تو اصولی طور پر بالکل صحیح نہیں، کیونکہ دلائل کسی شئی کے جواز اور اثبات کے لئے ہوتے ہیں، نفی اور انکار کرنے کے لیے نہیں لہٰذا یہ سوال کرنا کہ ناجائز ہے تو کن دلائل کی بنیاد پر" قانونِ اصولِ فقہ" کی رُو سے غلط ہے۔ ہاں یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر جائز ہے تو کن دلائل کی بنیاد پر۔

اسی طرح سوال کا جزاول بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے البتہ جزوی طور پر صحیح ہے کیونکہ طبِ جدید کی تعلیم انسانی جسم کی قطع و برید کے بغیر بھی ممکن ہے۔ آج کل پلاسٹک اور دوسری مصنوعی اشیاء سے بنے ہوئے انسانی ڈھانچے اور انسانی اعضاء ملتے ہیں جن کے ذریعہ حصولِ تعلیم اور تجربہ ممکن ہے۔ قدیم زمانہ میں سرجری کے لئے انسانی اعضاء کی

قطع و برید کے بجائے جانوروں کے جسم و اعضاء کی قطع و برید کر کے تجربہ حاصل کیا جاتا تھا۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ طبِ جدید کی بعض جزئیات اور مسائل ایسے ہیں جن میں پوری طرح تجربہ انسانی اعضاء کی قطع و برید کے بغیر دشوار ہے تو اس بارے میں سوال کے جزِ ثانی کے متعلق جواب یہ ہے کہ طبِ جدید کی تعلیم و تعلم اس حد تک جائز ہے جس حد تک قانونِ شرع اجازت دیتا ہو اور طبِ جدید کی تعلیم و تعلم کا وہ طریقہ یا تجربہ کسی صورت میں، جائز نہیں جو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی نصوص سے متصادم اور مخالف ہو۔ اور چونکہ ڈاکٹری علاج و معالجہ کے تحت کسی زندہ انسان کیلئے علاج کیلئے کسی مردہ انسان کی قطع و برید قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے جائز نہیں ہے اس لئے اس ناجائز علاج کا طریقہ تعلیم بھی ناجائز ہوگا۔

کسی زندہ انسان کے علاج کے لئے مردہ انسان کی قطع و برید جائز نہیں، نصوصِ شرعیہ اور فقہی روایات اس پر دال ہیں، چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

دلیل، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیّت ککسرہ حیًّا (رواہ مالک ص۲۲۰۔ ابوداؤد ص۱۰۲ ج۲، ابن ماجہ ص۱۱۷)

فیض القدیر میں یہ روایت کچھ زیادتی کے ساتھ ان الفاظ میں مروی ہے۔

قال علیہ الصلوۃ والسلام کسر عظم المیّت ککسر عظم الحیّ فی الاثم کذا عن امّ سلمۃ۔ (فیض القدیر ص۵ ج۵)

ترجمہ، مردہ انسان کی ہڈی توڑنے میں ایسا گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی

ہڈی توڑنے میں ہے۔

عقلی طور پر اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

۱ کسی زندہ آدمی کی ہڈی دوسرا انسان توڑ دے۔

۲ ایک آدمی کسی دوسرے مردہ انسان کی ہڈی توڑ دے۔

۳ آدمی خود اپنی زندگی میں اپنی کسی ہڈی کو توڑ دے۔

۴ یا مرنے کے بعد کسی کو توڑنے کی اجازت دے۔

پہلی دو صورتیں تو حدیث کی صریح نص سے ثابت ہیں کہ جس طرح کسی زندہ انسان کی ہڈی توڑنا معصیت اور گناہ ہے اسی طرح مردہ انسان کی ہڈی توڑنا بھی معصیت اور گناہ ہے۔ آخری دونوں کا معصیت ہونا حدیثِ مذکورہ کی دلالت النص سے ثابت ہے۔ اس کے بعد تحریر شدہ حدیث بخاری کی صراحت سے معلوم ہوا کہ جس طرح انسان کے لئے کسی دوسرے آدمی کو قتل کرنا ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح خودکشی بھی ناجائز و حرام ہے اور جس طرح کسی انسان کے عضو کو کاٹنا جرم ہے اسی طرح اپنے عضو کا کاٹنا بھی ناجائز و حرام ہے اسی لئے اس میں زندگی اور موت کے بعد کا کچھ فرق نہیں۔

حدیثِ مذکور کی شرح مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں،

قولہ ککسرہ حیًا یعنی فی الاثم کما فی روایۃ قال الطیبی اشارۃ الیٰ انہ لا یہان میتًا کما لا یہان حیًا قال ابن الملک الیٰ ان	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "ککسرہ" کا مطلب یعنی زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا جس طرح معصیت ہے اسی طرح مردہ کی ہڈی کا توڑنا بھی

للميت يتألم. وقال ابن
حجرؒ ومن لازمه انه
يستلذ بما يستلذ به
الحي، وقد اخرج ابن
ابی شیبة عن ابن مسعودؓ
قال أذى المؤمن فی موته
كاذاه فی حیاته.
(رواه مالك وابوداؤد)

قال ميرك وسكت عليه
ابن ماجه قال ميرك ورواه
ابن حبان فی صحيحه وقال ابن

معصیت ہے یعنی حکم میں دونوں
برابر ہیں، طیبی شارح مشکوٰۃ نے
کہاکہ حدیث میں اس بات کی طرف
اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان
کے اعضاء کو نقصان پہنچاکر اس کی
توہین و تذلیل نہیں کی جائے گی۔
اسی طرح مردہ انسان کی قطع و برید
کرکے اس کی توہین و تذلیل نہیں
کی جائیگی۔ ابن الملک نے کہاکہ
جس طرح زندہ انسان کو ایذاء دینے
اور قطع و برید سے اس کو تکلیف
ہوتی ہے۔ اسی طرح مردہ کو بھی ہوتی
ہے، ابن حجرؒ نے کہاکہ اس سے یہ
بھی لازم آتا ہے کہ انسان زندگی
میں جس چیز سے لذت حاصل کرتا
اور محظوظ ہوتا ہے۔ اسی طرح مرنے
کے بعد بھی اسی چیز سے لذت حاصل
کرتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے۔

میرک نے کہاکہ ابن ماجہ نے حدیث،
بیان کرنے کے بعد اس کی سند پر
سکوت فرمایا، اور یہ بھی کہاکہ ابن حبان
نے اس حدیث کو اپنی "صحیح" میں روایت
کیا ہے اور ابن قطان

قطان سنده حسن (مرقاة شرح مشكوٰة ص۷۹ ج۴ کذا فی بذل المجهود ص۲۰۹ ج۵ اوجز المسالك ص۵۰۰ ج۲)

نے اس کی سند کو حسن کہا ہے جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے، اسی طرح بذل المجہود اور اوجز المسالک میں ہے۔

۲ مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی مردہ انسان کو مرنے کے بعد ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں ایذا پہنچانا۔ امام مالک، ابوداؤد۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ سند کے اعتبار سے حدیث حسن ہے۔ اسی طرح کا مضمون بذل المجہود اور اوجز المسالک میں بھی ہے۔

حدیث کی اس شرح اور تفصیل سے واضح ہوا کہ انسانی اعضاء کی قطع و برید اور اس میں چیر پھاڑ جس طرح اس کی زندگی میں جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی ناجائز بلکہ حرام ہے خواہ اس کی رضا سے ہو یا بلا رضا کیونکہ انسانی جسم کا قتل اور اعضاء میں قطع و برید کرنے کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں، جیسا کہ خودکشی کرنے کے متعلق حدیث سے معلوم ہوگا کیونکہ یہ تمام افعال تکریم انسانی کے منافی ہیں، اور چونکہ مردہ انسان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اس قطع و برید میں اعضاء کو الگ کرنے میں اس کو ایک قسم کی تعذیب دینا ہے۔

قال عليه الصلوٰة والسلام ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فی الدنيا (مسلم ص۳۲۷ ج۲) قال النووی هذا محمول علی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیں گے۔ امام نووی

التعذیب بغیر حق فلا یدخل فیہ القصاص والحدود والتعزیر۔ (مسلم ص۳۲ ج۲)

رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ناحق ایذا اور تکلیف دینے کے متعلق ہے۔ اسی لئے قصاص، حدود، تعزیر میں قتل کیا جانا تعذیب میں شامل نہیں۔

غرض مردہ انسان کے اعضاء کی حرمت ایسی ہے جیسے زندہ انسان کی۔ چنانچہ حدیث عائشہؓ "کسر عظم المیت ککسر عظم الحی" کی شرح کرتے ہوئے امام طحاوی رح مشکل الآثار میں لکھتے ہیں۔

وحاصلہ ان عظم المیت لہ حرمۃ مثل حرمۃ عظم الحی لکن لاحیاۃ فیہ فکان کاسرہ فی انتہاک الحرمۃ ککاسر عظم الحی ویعدم القصاص والارش لعدم المعنی الذی یوجبہ من الحیاۃ۔ (حاشیہ مؤطا مالک ص۲۰۲)

حدیث مذکور کا حاصل یہ ہے کہ مردہ انسان کی ہڈی کی حرمت وعظمت ایسی ہی ہے جیساکہ زندہ انسان کی ہڈی، فرق صرف اتنا ہے کہ مردہ انسان کی ہڈی میں حیات نہیں لہٰذا مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنے والا شخص انسانی حرمت کی پامالی میں ایسا گنہگار ہے، جیساکہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے والا گنہگار ہے البتہ چونکہ قصاص اور تاوان واجب ہونے کا سبب حیات ہے اور مردہ کے جسم واعضاء میں حیات نہیں ہوتی اس لئے قصاص و

دیت وغیرہ تو نہیں آئے گی لیکن تکریم
انسانی کے خلاف کرنے اور اس کی
حرمت کو مٹانے کا گناہ ہوگا۔

حدیث مذکور کا حاصل یہ ہے کہ مردہ انسان کی ہڈی کی حرمت وعظمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی، فرق صرف اتنا ہے کہ مردہ انسان کی ہڈی میں حیات نہیں، لہذا مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنے والا شخص انسانی حرمت کی پامالی میں ایسا گنہگار ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے والا گنہگار ہے البتہ چونکہ قصاص اور تاوان واجب ہونے کا سبب حیات ہے اور مردہ کے جسم واعضاء میں حیات نہیں ہوتی اس لئے قصاص و دیت وغیرہ تو نہیں آئیگی لیکن تکریم انسان کے خلاف کرنے اور اس کی حرمت کو مٹانے کا گناہ ہوگا چنانچہ مسلم شریف کی روایت ملاحظہ ہو،

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواصلة و المستوصلة والواشمة و المستوشمة (رواہ مسلم ص ۲۰۵ ج ۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال دینے والی اور دوسری عورتوں کے بالوں کو اپنے بالوں سے ملانے والی عورت اور چہرے پر گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے

یعنی کسی انسان کے بال کاٹ کر دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے خواہ دوسرا انسان جس کے بال استعمال کے لئے لئے جارہے ہیں مرد ہو یا عورت، زندہ ہو یا مردہ، پھر خواہ بال قیمت دے کر خریدے ہوں یا ہبۃً ملے ہوں ہر صورت میں ناجائز ہیں۔

امام نووی حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"ایک انسان کے بال دوسرے کے لئے ناجائز و حرام ہیں اور دوسرے کے بال لگانے والی اور اسی طرح چہرہ کو گودنے والی اور گودوانے والی عورت سب گنہ گار ہیں کیونکہ اس میں تغیر خلق اللہ ہے۔" (شرح مسلم للنووی ج۲ ص)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک انسان کے اعضاء کی قطع و برید اور اسے علاج یا زینت کیلئے استعمال کرنا دوسرے انسان کے حق میں جائز نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب "البدائع الصنائع" میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں :-

ان استعمال جزء منفصل عن غیرہ من بنی آدم اھانۃ بذالک الغیر، والآدمی بجمیع اجزائہ مکرم ولا اھانۃ فی استعمال جزء نفسہ فی الاعادۃ الی مکانہ -

کسی انسان کا کوئی عضو قطع و برید کے بعد استعمال کرنا صاحب عضو کی توہین ہے اور بنی آدم کے تمام اعضاء مکرم و محترم ہیں، ہاں انسان کے اپنے جسم سے اگر کوئی عضو الگ ہوگیا یا طبی ضرورت کی بنا پر الگ کیا گیا ہو تو اس کو اپنی جگہ پر دوبارہ لگا دینے میں کوئی توہین نہیں ہے -

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کسی انسانی جسم کی قطع و برید کرنا پھر اس کے اعضاء کو استعمال کرنا خواہ تعلیم کے لئے ہو یا دوسرے انسان کے علاج کیلئے ہو جائز نہیں بلکہ حرام ہے -

شرح سیر الکبیر میں ہے،

والآدمی محترم بعد موتہ

آدمی مرنے کے بعد بھی اسی طرح قابل

علیٰ ما کان علیہ فی حیاتہ فکما لا یجوز التداوی بشیٔ من الآدمی اکراماً لہٗ فکذا لا یجوز التداوی بعظم المیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسر عظم المیت ککسر عظم الحی۔ (ص۸۸، ص۸۹ ج۱)

احترام ہے جیسا کہ مرنے سے پہلے تھا پس جیسے زندہ آدمی کے احترام کی خاطر اس کے کسی عضو کو کسی کے علاج کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی ہڈی یا اور کسی عضو کو دوا کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ کی ہڈی توڑنا بھی ایسا گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی کے توڑنے کا۔"

صاحب فتاویٰ عالمگیری لکھتے ہیں :۔

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسۃ۔ و قیل للکرامۃ ھو الصحیح کذا فی الجوھرۃ الاخلاطی۔ (عالمگیری ص۳۵۴ ج۵)

"انسان کے اعضاء سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، ایک قول میں نجاست کی وجہ سے ہے، اور دوسرے قول میں کرامت کی وجہ سے ہے، دوسرا قول صحیح ہے۔ جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔"

فتح القدیر میں ہے،

وحرمۃ الانتفاع باجزاء الآدمی لکرامتہ (ھدایہ) و فی العنایۃ لئلا یتجاسر الناس

آدمی (کی کھال سمیت) تمام اجزاء سے فائدہ حاصل کرنے کی حرمت اس کی کرامت کے پیش نظر ہے (ہدایہ)

على من كرمه الله بابتذال اجزائه (ص٦٥ ج ٦)

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے یہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بنی آدم کو مکرم ومحترم بنایا ہے لوگ اس کے اعضاء واجزاء کو استعمال کرنے کی جسارت ہی نہ کریں۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے،

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدى وكلها او قال اقطع منى قطعة وكلها لا يسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل۔

(بزازیہ حاشیہ ہندیہ ص٣٥٣ ج٣)

اگر کسی شخص کو کھانے کے لئے کچھ نہیں ملا یہاں تک کہ مردار کا گوشت بھی کھانے کے لئے نہیں ملا اور اس کو ہلاکت کا شدید خطرہ ہو ایسی حالت میں کسی دوسرے شخص نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھاؤ، یا میرے جسم سے کوئی ٹکڑا کاٹ کر کھاؤ (جان بچاؤ) تو اس فاقہ کش کے لئے ایسا کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ اس کے لئے اپنے بدن کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانے کی اجازت نہیں ہے۔

اور دوسرے شخص کی جانب سے اس طرح عضو کاٹنے کی پیش کش کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہی نہیں ہے جو دوسرے کو ہبہ یا عطیہ کرے۔

انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک نہیں ہے

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ خودکشی کی ممانعت پر حدیث ذکر کر کے لکھتے ہیں:

ویؤخذ منه ان جنایة الانسان علیٰ نفسه کجنایته علیٰ غیره فی الاثم لان نفسه لیست ملکاً له مطلقاً بل هی لله تعالیٰ فلا یتصرف فیها الا بما اذن له فیه۔
(ص۵۳۹ ج ۱۱، طبع لاهور)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خودکشی کرنا اور اپنے آپ کو ہلاک کرنا ایسا گناہ ہے جیسا کہ دوسرے کو ہلاک کرنا گناہ ہے کیونکہ انسان کا جسم و جان اس کی ملک نہیں ہے کہ جب چاہے اسے ہلاک کرے بلکہ انسان کا جسم و جان خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہے انسان کو بطریقِ اباحت صرف اس سے اپنے لئے کام لینے، اور اس سے اپنے واسطے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہے اور انتفاع بھی صرف اس حد تک جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو۔"

(الف) مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم اور اس کے اعضاء کی قطع و برید کرنا ناجائز و حرام ہے۔

(ب) جس طرح زندہ انسان کی قطع و برید ناجائز ہے اس طرح مردہ انسان کی قطع و برید بھی ناجائز ہے۔

(ج) اور انسانی جسم و اعضاء کی قطع و برید کر کے علت جدید کے تعلیمی و تجرباتی فائدے حاصل کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تکریم و احترام کے خلاف ہے۔

(د) انسانی جسم و اعضاء کے ذریعہ تداوی اور علاج بھی جائز نہیں ہے۔

(ہ) جب انسانی جسم و اعضاء کی قطع و برید کر کے علاج و معالجہ جائز نہیں تو اس کا موقوف علیہ (تعلیم) بھی انسانی جسم کی چیر پھاڑ کر کے ناجائز ہوگی۔

البتہ صرف چند مخصوص صورتوں میں انسانی جسم کی قطع و برید جائز ہے اور اس کے لئے اصول یہ ہے کہ:

(الف) کسی مردہ انسان کے جسم سے کسی شخص کا جانی یا مالی حق متعلق ہو۔

(ب) اگر مردہ انسان کے جسم کی قطع و برید کے بغیر دوسرے کی جان خطرے میں ہو۔

(ج) اگر مالی حق ایسا ہو جو چیرے بغیر وصول نہ ہوتا ہو یعنی ایسی صورتوں میں جن میں کسی مردہ انسان کی قطع و برید پر دوسرے شخص کی جان بچانا موقوف ہو اس کا پوسٹ مارٹم کر کے دوسرے شخص کی جان بچائی جائے گی۔ اسی طرح کسی کا مالی حق اگر اس سے متعلق ہو تو اس کو وصول کرنے کے لئے اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا مثلاً مردہ ماں کے پیٹ کو چیر کر زندہ بچہ نکالنا جب کہ اس کا پیٹ چیرے بغیر بچہ نکالنے کی اور کوئی صورت نہ ہو اسی طرح زندہ ماں کے پیٹ سے مردہ بچے کو کاٹ کر نکالا جائے گا جب کاٹے بغیر اسے نہ نکالا جا سکتا ہو۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کا سونا یا قیمتی زیور وغیرہ نگل لیا پھر مرگیا۔ اس میت کے پاس اتنی جائیداد نہیں جس سے سونا یا زیور کی قیمت وصول کی جاسکے نہ ہی ورثاء میں کوئی وارث اس مال کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہو اور صاحب حق اپنے مال سے دست بردار بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں اس میت کو چیر کر وہ نگلا ہوا سونا یا زیور نکالا جائے گا۔ جیسا کہ ردّ المحتار میں ہے:

حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها من الایسر ویخرج ولدها ولو بالعکس وضیق علی الام قطع واخرج لو میتًا والا لا کما فی کراهة الاختیار الخ (ردالمحتار ص۶۰۲ ج۱، والطحاوی ص۳۸۲ ج۱)	اگر کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ بچہ زندہ ہے تو مردہ عورت کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیرا جائے گا اور بچہ کو نکالا جائے گا، اور اگر حالت اس کے برعکس ہو کہ ماں زندہ ہے لیکن حمل مردہ ہے اور مردہ بچہ اپنی فطری جگہ سے نکلتا نہیں تو اسے کاٹا جائے گا پھر نکالا جائے گا۔

مزید ردّ المحتار میں ہے:۔

ولو بلع مال غیرہ ومات هل یشق قولان، الاولیٰ نعم لانه وان کان حرمة الآدمی اعلیٰ من صیانة المال لکنه ازال احترامه بتعدیه کما	اگر کسی نے دوسرے کا مال نگل لیا اور مرگیا تو مال کے واسطے اس کا پیٹ چیرا جائے گا یا نہیں ہاں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہاں جائز ہے، کیونکہ مال کے مقابلہ میں انسانی حرمت کہیں

فی الفتح و مفادہٗ انہٗ لو سقط
فی جوفہٖ بلا تعد لا یشق
اتفاقاً کما لا یشق الحی مطلقاً
لافضائہ الی الھلاک لا
لمجرد الاحترام ۔ (رد المحتار
ص۶۰۲ ج ۲، کذا فی الطحاوی
ص۳۸۳ ج ۱)

زیادہ ہے لیکن اس نے مال کے احترام
کو اپنے فعل سے ضائع کیا ہے۔ اس
سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی
کا مال بغیر تعدی اور زیادتی کے اس
کے پیٹ میں چلا گیا تو اس کے پیٹ
کو بالاتفاق نہیں چیرا جائے گا جیسا کہ
زندہ کو نہیں چیرا جاتا کیونکہ چیرنا
ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے صرف
احترام کی بات ہی نہیں ۔

اور بحر الرائق میں ہے،
لما کانت الحرکۃ دلیل
الحیوۃ قالوا الحبلیٰ اذا ماتت
وفی بطنہا ولد یضطرب
یشق بطنہا و یخرج الولد ۔
(البحر الرائق ص۶۰۵ ج ۲)

چونکہ حرکت کرنا زندگی کی دلیل ہے
اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ حاملہ عورت
اگر مر جائے اور پیٹ میں بچہ ہو جو
حرکت کر رہا ہو تو اس کے پیٹ کو
چیر کر بچہ کو نکالا جائے گا۔

اور شرح الکبیر میں ہے،
امرأۃ ماتت واضطرب
الولد فی بطنہا وغلب علیٰ
رایھم انہٗ حیٌّ یشق
بطنہا (شرح الکبیر ص۶۰۵)

اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے
پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو اور
غالب گمان یہ ہو کہ بچہ زندہ ہے تو
مردہ عورت کے پیٹ کو چیرا جائیگا
اور بچہ کو نکال لیا جائے گا۔

طبِ جدید کی تعلیمی ضرورت کے واسطے انسانی اعضاء پر تجربے ناجائز و حرام ہیں

لیکن سوال میں طبِ جدید کی تعلیمی ضرورت یا طبِ جدید کے تحت زندہ انسان کے علاج و معالجہ کے مسائل ان اصول کے تحت نہیں آتے کیونکہ طبِ جدید کے تحت جن مردہ انسانوں کے جسم و اعضاء کی قطع و برید کی جاتی ہے ان کے جسم کے اعضاء کے ساتھ کسی شخص کا جانی یا مالی اور شخصی حق متعلق نہیں ہوتا لہٰذا طبِ جدید کے تحت انسانی اعضاء کی قطع و برید کر کے تعلیم دلانا یا دوسرے زندہ انسان کا علاج کرنا ناجائز اور حرام ہوگا کیونکہ اس میں انسان اور اعضاءِ انسان کی توہین و تذلیل ہوتی ہے جب کہ زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں انسان اور اس کے اعضاء قابلِ احترام ہیں اور ہر حالت میں اس کا احترام و اکرام کرنا ایک شرعی حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر متبعِ شریعت کے لئے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں انسانی لاشوں پر تجربہ کرنے میں دوسری خرابیاں بھی ہیں مثلاً تعلیمی تجربہ کرنے والوں میں مرد اور عورت، لڑکے اور لڑکیاں سب ہوتے ہیں پھر جن اموات اور لاشوں پر تجربے کرتے ہیں ان میں بھی مرد اور عورت، لڑکے اور لڑکیوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔

قرآن و حدیث کی رو سے شرعی مسئلہ یہ ہے کہ کسی انسانی بدن کے مستور حصے کو دوسرے اجنبی انسان کے لئے دیکھنا ناجائز و حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے فرمایا،

اے علی رضؓ کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران کی طرف نظر مت کر۔

اس کے علاوہ بھی دوسری نصوصِ قرآنی اور احادیث بھی پردہ کے متعلق موجود ہیں۔ انسان کے مرنے کے بعد پردہ کا حکم ختم نہیں ہو جاتا بلکہ مرنے کے بعد بھی یہی حکم ہے کہ پردہ کا اہتمام کیا جائے۔ لہٰذا جو لوگ بھی تعلیم کے سلسلے میں تجربے کرتے ہیں ان میں جو مرد اور لڑکے ہوتے ہیں ان کے لئے دوسرے مردوں کے مستور حصّوں کو دیکھنا جب کہ میت عورت بھی ہو سکتی ہے جائز نہیں ہے بلکہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی طرح عورتوں اور لڑکیوں کے لئے بھی اجنبی مرد اور عورتوں کے مستور حصّوں کا معائنہ کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

مزید برآں تجربے کے لئے صرف دیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ ہاتھوں سے اسے پکڑنا اور چھونا پڑتا ہے اور لاش کی قطع و برید کرنا پڑتی ہے۔ یہ ساری چیزیں الگ الگ مستقل گناہ ہیں۔

لہٰذا اس طرح کی تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی اجازت وہاں تو ہو سکتی ہے جہاں سے موجودہ ڈاکٹری تعلیم اور طریقۂ تعلیم ہمیں مستعار ملا ہے۔ مگر دینِ اسلام میں اس کی اجازت ہرگز نہیں ہو سکتی۔

وجوہاتِ قتل معلوم کرنے کیلئے شرعی اصولوں کو اپنایا جائے

جوابِ ۲۔ وجوہاتِ قتل معلوم کرنے کے لئے شرعی طریقے موجود ہیں۔ شریعت نے وجوہاتِ قتل معلوم کرنے کے لئے جو اصول متعین کئے ہیں ان پر عمل کیا جائے، مدعی قتل سے گواہ طلب کئے جائیں گواہ نہ ہونے

کی صورت میں قسم لی جائے اگر نامعلوم قاتل قتل کر کے فرار ہو گیا تو اس کی تفتیش کی جائے، مقتول جہاں پڑا ہوا ملا اس علاقہ کے لوگوں سے معلوم کیا جائے اگر قاتل معلوم ہو جائے تو بہتر ورنہ اس علاقہ کے پچاس مردوں سے قسم لی جائے، اور قسم اٹھانے کے بعد ان پر دیت لازم کر دی جائے۔ ان شرعی اصولوں کو چھوڑ کر بلا دلیل اور بلا فائدہ غیر شرعی تفتیش کے تحت مردہ انسان کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) کرنا ناجائز و حرام ہے۔

وجوہاتِ قتل معلوم کرنے کیلئے موجودہ پوسٹ مارٹم کا طریقہ غیر شرعی ہے

واضح رہے کہ دراصل پوسٹ مارٹم کا موجودہ قانون انگریزی قانون کے تحت جاری ہوا تھا اور اب تک اس کی غلامیت میں دوسرے غیر اسلامی قوانین کی طرح یہ قانون بھی ہمارے یہاں رائج ہے۔ اب اس کا رواج عام ہونے اور ترقی کر جانے کی بنا پر اسلامی قانون کی توثیق چاہتا ہے تاکہ جو فعل اب تک ذہنی غلامیت کے تحت کیا جا رہا تھا اب انگریز کی ذہنی غلامی کے شکار افراد کے توسط سے اسلام کا لباس پہنا کر اپنا لیا جائے، کیونکہ اگر یہ طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا تو ممکن ہے کہ آئندہ جا کر پاکستان میں اسلامی قانون اور غیر اسلامی قوانین کی حدود متعین کرنے کے موقع پر مروجہ پوسٹ مارٹم کا سلسلہ ختم کرنا پڑے۔ اگر یہ بات نہیں تو جن مواقع میں وجوہاتِ قتل معلوم ہیں وہاں پر پوسٹ مارٹم کی کیا ضرورت ہے جب کہ مروجہ قانون میں کسی معقول وجہ کے بغیر میت کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے۔

گاڑیوں میں ایکسیڈنٹ ہونے کی صورت میں فوت ہونے والے کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جب کہ گاڑی کے نمبروں سے قاتل معلوم ہو سکتا ہے۔ قتل کی نوعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ میت کی قطع و برید سے یہاں وجوہاتِ قتل کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قاتل معلوم بھی نہ ہو پھر بھی میت کی قطع و برید کر کے قاتل کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا۔ لیکن باوجود ان باتوں کے میت کی بے مقصد قطع و برید کر کے معصیت کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

ہسپتالوں میں جن مرنے والوں کی لاشوں کی قطع و برید کی جاتی ہے وہاں پر کون سے قاتل کا پتہ چلایا جاتا ہے؟ لیکن گناہ بے مقصد و بے فائدہ میں ڈاکٹر حضرات اور قطع و برید کے حکم دینے والے برابر ملوث ہیں۔

بعض دفعہ دو آدمیوں یا دو فریقوں کے درمیان تنازع میں قتل ہونے والوں کی قطع و برید ہوتی ہے پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جب کہ وہاں پر قاتل اور قتل کی نوعیت سب چیزیں قطع و برید سے پہلے بھی معلوم ہوتی ہیں پھر کس لئے پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے؟

یہ تو چند نظائر ہیں کہ بلا مقصد اس گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، عام طور اس گناہِ عظیم میں ملوث حضرات کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ بھی ایک گناہِ عظیم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔

مریض کے جسم کی اصلاح کے واسطے چیر پھاڑ شرائط کے ساتھ جائز ہے

جواب ۲ ۵ء ۱۔ کسی شخص کے بدن میں بعض اعضاء کی اصلاح

کے لئے چیر پھاڑ کرنا درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(الف) کسی ماہر طبیب نے آپریشن کے ذریعے صحت یابی کی رائے دی کہ ظن غالب یہ ہے کہ اس سے مریض صحیح ہو جائے گا۔

(ب) علاج کے لئے آپریشن کے علاوہ کوئی اس سے آسان طریقہ نہ ہو۔

(ج) مریض عاقل و بالغ ہو اور اس کی رضامندی بھی ہو، اگر عاقل و بالغ نہیں تو ولی کی اجازت ہو۔

(د) ڈاکٹر چیر پھاڑ کے وقت قدر ضرورت سے زائد قطع و برید نہ کرتا ہو۔

ان شرائط کے ساتھ مریض کے بعض اعضاء کی اصلاح کے لئے آپریشن جائز ہے، چنانچہ صاحب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۱۳۳ ج ۵ کا حوالہ گزر چکا ہے۔

اور بدائع الصنائع میں دوسری جگہ ہے:

ولو سقط سنه یکره ان یأخذ سن میت فیشدها مکان الاولی بالاجماع وکذا یکره ان یشد تلک السن الساقطة مکانها عند ابی حنیفة رح ومحمد رح ولکن یاخذ سن شاة زکیة فیشدها مکانها وقال ابو یوسف رح لا بأس بسنه ویکره سن غیره۔ (البدائع الصنائع ص ۱۳۲ ج ۵)	اگر کسی کا دانت ٹوٹ کر گر جائے تو کسی مردہ کا دانت لے کر لگا دینا بالاجماع جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رح و محمد رح کے نزدیک تو یہ بھی جائز نہیں کہ اپنے دانت کو لے کر دوبارہ جوڑ دے بلکہ یہ شخص کسی ذبح شدہ بکری کا دانت لے کر لگائے، لیکن امام ابو یوسف رح کے نزدیک اپنے دانت دوبارہ لگانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

واضح رہے کہ آج کل فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے کہ دوبارہ گرے ہوئے دانت کو اپنی جگہ پر لگانا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی کتاب الام میں ہے:

والوجه الثانی الذی یسقط فیه العقل أن یأمر الرجل به الداء او الطبیب ان یبط جرحه او الاكلة ان یقطع عضواً یخاف مشیها الیه او یفجرله عرقاً او الحجام یحجمه او الكاوی ان یكویه او یأمر ابو الصبی او سید المملوك الحجام ان یختنه فیموت من شیئ من هذا او لم یتعد المامور ما امره به فلا عقل ولا ماخوذیة ان حسنت نیته ان شاء الله. وذلك ان الطبیب والحجام انما فعلاه للاصلاح بامر المفعول به او والد الصبی او سید المملوك الذی یجوز علیهما امره فی نظرلهما كما یجوز علیهما امر انفسهما	دوسری صورت یہ ہے کہ جس میں قصاص تو نہیں بلکہ دیت بھی ساقط ہو جاتی ہے کہ مریض ڈاکٹر اور طبیب سے فصد کھولنے کو کہے۔ یا ایسا شخص جس کے کسی عضو پر گوشت یا ہڈی کو کھا جانے والی بیماری لاحق ہو اور اس کے سرایت کر جانے یا کسی شریان کے پھٹ جانے کا خطرہ ہو اور طبیب اسے ایسا عضو کاٹ دینے کو کہے۔ یا مریض سینگی لگانے والے کو سینگی لگانے اور داغ دینے والے کو داغ دینے کو کہے۔ یا بچے کا باپ اور غلام کا مولیٰ حجام سے بچے کی ختنہ کرنے کے لئے کہے پھر مریض یا بچہ ان میں سے کسی سبب سے مر جائے تو طبیب اور حجام پر کوئی دیت (خونبہا) نہیں ہے، نہ کوئی گرفت ہوگی۔ بشرطیکہ انہوں نے قدر ضرورت سے

لو کانا بالغین ۔
(کتاب الام ص۱۷۵ ج ۶)

تجاوز نہ کیا ہو اور نیک نیتی سے علاج کیا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ طبیب اور حجام نے یہ کام ان کے کہنے پر یا بچے کے باپ اور غلام کے مولیٰ کی اجازت سے ان کے مریض کے فائدہ کے لئے اس طرح کیا ہے۔ باپ اور مولیٰ کی اجازت ایسی ہے جیسا کہ بالغ ہونے کے بعد خود ان کی اجازت ہے ۔

بدائع اور کتاب الام کے مذکورہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی اصلاح و حفاظت کے لئے اس کے بدن کا چیر پھاڑ کے ذریعہ علاج کرنے کی ضرورت ہو تو وہ اپنے بدن کا چیر پھاڑ کے ذریعہ علاج کر سکتا ہے ۔

۲ ۔ لیکن علاج کا یہ طریقہ اپنانا لازم اور واجب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر چیر پھاڑ کے ذریعہ علاج نہ کرنے کی وجہ سے کوئی مریض ہلاک ہو گیا ہے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا ۔

۳ ۔ انسانی جسم اور صحیح اعضاء کو ضرر سے بچانے کے لئے اپنے عضو ماؤف کا علاج قطع و برید اور چیر پھاڑ کے ذریعہ جائز ہے ۔

۴ ۔ داغ لگانا ، خون کا نکالنا ، عضو ماؤف کا کاٹ ڈالنا ، جسم کے ایک حصہ کی شریان یا کھال یا گوشت دوسری جگہ دینا وغیرہ (جس سے مقصد اپنے جسم یا اعضاء کی اصلاح و حفاظت ہو) جائز ہے ۔

مذکورہ بالا حوالوں اور اس کی تشریح سے سوال نمبر ۴ اور ۵ کا جواب بھی مل گیا ہے کہ دفع ضرر کے لئے تداوی کے طور پر مختلف شریانوں میں تبدیلی و ترمیم کرنا اور مختلف پردوں اور جھلیوں کے ناکارہ ہونے کی صورت میں اسی مریض کی دوسری جگہ کی شریانیں یا پردے وغیرہ کا منتقل کر کے لگا دینا جائز ہے۔

جواب ۶ انسان کے معدوم یا مفقود اعضاء کی جگہ مصنوعی اعضاء لگائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ ناکارہ اعضاء جس میں بیماری لگی ہوئی ہے اور وہ مریض کے لئے تکلیف دہ بھی ہیں اس کی جگہ مصنوعی اعضاء کا لگا دینا جائز ہوگا البتہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

نیز واضح رہے مصنوعی اعضاء لگانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مصنوعی اعضاء کو جسم میں اس طرح فٹ کر دیا جائے کہ وہ جسم کے ساتھ متصل ہوں اور مل جائیں تو ایسی صورت میں مصنوعی اعضاء کا حکم وضو اور غسل کے بارے میں حقیقی اعضاء کی طرح ہوگا۔ مثلاً کسی نے مصنوعی دانت لگوایا اور اسے سیسہ کے ساتھ جما دیا تو اس کے اوپر وضو اور غسل سب جائز ہیں یا دانتوں کے اوپر سونا یا چاندی کا خول چڑھا دیا، اس پر بھی غسل و وضو جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مصنوعی اعضاء کو جسم کے ساتھ فٹ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ بعض مصنوعی دانت ایسے لگائے جاتے ہیں جن کو صبح و شام منہ سے نکالا بھی جا سکتا ہے، اور بعض مصنوعی ہاتھ یا پاؤں لگائے جاتے ہیں جنہیں ضرورت کے وقت لگایا اور نکالا جا سکتا تو ایسے مصنوعی اعضاء کا حکم اصلی اعضاء کی طرح نہیں ہے۔ ایسے مصنوعی دانت کے اوپر جنابت کا

غسل جائز نہیں، مصنوعی ہاتھوں اور پاؤں کے اوپر وضو میں ہاتھ اور پاؤں دھونا صحیح نہیں ہے۔

جواب :- مصنوعی اعضاء لگانا تو جائز معلوم ہوا لیکن اس کے لئے یہ شرائط ہیں۔

مصنوعی اعضاء لگانے کے جواز اور اس کے شرائط

(الف) مصنوعی اعضاء پاک اشیاء سے بنے ہوئے ہوں، نجس و ناپاک سے بنے ہوئے نہ ہوں اور نجاست کی ملاوٹ بھی ان میں نہ ہو۔

(ب) مثلاً خنزیر کی ہر چیز ناپاک اور حرام ہے مصنوعی اعضاء میں خنزیر کے اجزاء مخلوط نہ ہوں۔

(ج) اسی طرح حرام جانوروں کے ناپاک اجزاء نہ ہوں یا ناپاک اجزاء اس میں شامل نہ ہوں جیسا کہ گوشت و پوست، خون، چربی، چکنائی والی ہڈی وغیرہ ہیں۔

(د) حلال جانوروں میں سے مردہ جانور کے ناپاک اجزاء یا اس سے بنے ہوئے اعضاء نہ ہوں۔ مثلاً حلال مردہ جانور کا گوشت، پوست، خون، چربی اور چربی والی ہڈی وغیرہ۔

(ہ) خنزیر کے علاوہ تمام حلال و حرام جانوروں کے بال، ناخن، کھر، دانت، صاف اور خشک ہڈیاں، سینگ وغیرہ کا لگانا تو ہر حال میں جائز ہے ضرورت کے تحت ہو یا بلا ضرورت محض زینت کے لئے بھی۔

(و) البتہ ناپاک اور حرام جانوروں کے ناپاک اعضاء اسی طرح پاک اور حلال جانوروں کے ناپاک اعضاء کا استعمال مصنوعی اعضاء میں بصورت اضطرار

وشدید مجبوری جائز ہے۔ عام حالات میں ناجائز و حرام ہے۔
اضطراری حالت یہ ہے کہ اگر مریض مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری نہیں کرتا ہے تو ہلاکت نفس یا ہلاکت عضو یا قریب الہلاک ہوجائے گا ایسی نازک حالت میں حرام و ناپاک اشیاء سے بنے ہوئے مصنوعی اعضاء کا استعمال بھی جائز ہوجائے گا۔

(ز) لیکن زندہ انسان کا علاج دوسرے زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء کی پیوندکاری کے ذریعہ اضطراری حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

ان مذکورہ بالا باتوں کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب مبسوط تصنیف شمس الائمہ سرخسیؒ میں ہے،

الا تری ان المضطر کما لا یباح لہ قتل الانسان یاکل من لحمہ لا یباح لہ قطع عضو من اعضائہ (مبسوط ص۴۸ ج۲۴)	کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مضطر کے لئے کھانے کے واسطے جیسے کسی انسان کا قتل جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی انسان کا عضو کاٹنا بھی جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے،

مضطر لم یجد میتۃ وخاف الہلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلھا او قال اقطع منی قطعۃ فکلھا لا یسعہ ان یفعل ذلک ولا یصح امرہ کما لا یسع المضطر	کوئی مجبور اضطراری حالت میں کھانے کے لئے مردار تک نہیں پاتا اور اس کو ہلاکت نفس کا خوف ہے۔ دوسرے شخص نے اگر اس سے کہا کہ میرے ہاتھ کو کاٹ کر کھالو یا میرے اعضاء میں سے کوئی عضو

472 6.3

ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل ۔ (خانيه ص۴۰۲ ج۳ عالمگیری ج ۳، قاضیخان ص۴۱۰ ج۳، رد المحتار ص۲۱۵ ج ۵)

کاٹ کر کھالو تو اس مضطر کے لئے اس کے عضو کو کاٹنا اور کھانا جائز نہ ہوگا، نہ اس دوسرے کا عضو کاٹ کر کھانے کا حکم دینا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے عضو میں سے کوئی عضو کاٹ کر کھائے ۔

بحر الرائق میں ہے ،

وقال محمدؒ فی السیر الکبیر لا بأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاة او بقرة او بعیر او فرس او غیره من الدواب الا عظم الخنزیر والآدمی فانه یکره التداوی بهما (بحر الرائق ص۲۳۳ ج ۸، کذا فی العالمگیریة ص۳۵۴ ج ۵، کذا فی الخانیة ص۴۰۹ ج ۲)

امام محمدؒ نے سیر کبیر میں کہا ہے کہ ہڈی سے علاج کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے جب کہ ہڈی، بکری، گائے، اونٹ، گھوڑے یا دوسرے جانوروں کی ہو، مگر سور اور انسان کی ہڈی سے علاج جائز نہیں ہے ۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے ،

«الضرورة تبیح المحظورات» ومن ثم جاز اکل المیتة عند المخمصة واساغة

ضرورۃ حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہے، اسی وجہ سے فاقہ کے وقت مردار کھانا اور گلے میں اٹکے ہوئے

اللقمة بالخمر۔ (الاشباہ والنظائر ص۱۱۸ ج ۱)

لقمہ کو شراب کے ذریعہ حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے،

ویجوز للعلیل شرب الدم والبول۔ واکل المیتة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطبیب یتعجل شفاؤک فیہ وجہان (عالمگیریہ ص۵۵ ج مکتبہ ماجدیہ)

مریض کے لئے بطور علاج پیشاب اور خون کا پینا اور مردار کھانا ضرورت کے تحت جائز ہے بشرطیکہ مسلمان ماہر طبیب کی رائے یہ ہو کہ مریض کی شفا یابی اور علاج صرف ان ہی چیزوں سے ممکن ہے اور اس کے قائم مقام کوئی حلال دوا موجود نہ ہو، البتہ یہ کیفیت نہ ہو بلکہ طبیب کا کہنا یہ ہو کہ ان حرام چیزوں کے استعمال سے شفا جلدی ہوگی تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول عدم جواز کا، دوسرا قول جواز کا ہے۔ لیکن احتیاط عدم جواز پر ہے۔

حرام اور نجس اشیاء کے ساتھ علاج کرنا صرف اضطرار اور ضرورتِ شدیدہ کے وقت جائز ہے

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ تداوی بالحرام یا تداوی بالنجس عام

حالات میں جائز نہیں۔ البتہ ضرورتاً اضطرار کے موقع پر جائز ہے۔ نیز یہ کہ ضرورتِ اضطرار کے موقع پر تمام حرام اور ناجائز اشیاء سے تداوی جائز ہے لیکن انسانی اعضاء سے اضطرار کی حالت میں بھی علاج جائز نہیں ہے۔ لہٰذا سوال میں دل کے جس مصنوعی پائپ کا ذکر ہے جس کی ایک جھلی سور کی ہو اضطراری حالت میں لگانا جائز ہے، لیکن اس کو لگانے کے لیے پیچھے بیان کے اصول اور شرائط مذکورہ کو سامنے رکھنا ضروری ہے اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

جواب ۸: حلال جانوروں کے جملہ اعضاء جب کہ وہ مذبوحہ ہوں پاک ہیں ہر حالت میں اس کا لگانا جائز ہے۔ اگر مردار ہو تو ناپاک اجزاء کا استعمال کرنا عام حالات میں ناجائز ہے۔ البتہ اضطرارِ شرعی و ضرورت کے موقع پر جائز ہے۔

جواب ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲: کسی آدمی کی آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کا استعمال جائز نہیں، یہی حکم دل، گردے اور دوسرے اعضاء انسانی کے لئے بھی ہے، کیونکہ اولاً اس میں اضطراری کیفیت ہی نہیں یا نہ خوفِ ہلاکت ہے، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اضطراری حالت پائی جاتی ہے تب بھی انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے ذریعہ علاج جائز نہیں ہے جیسا کہ جواب ۶ میں مبسوط سرخسی ص ۴۸ ج ۲۴، اور قاضی خان ص ۴۰۴ ج ۳، شامی ص ۲۱۵ ج ۵، بحر الرائق ص ۲۳۳ ج ۸، اور عالمگیری ص ۳۵۵ ج ۵ کے حوالوں سے گزرا ہے، مزید ایک حوالہ شرح سیر الکبیر کا بھی ملاحظہ فرمالیں۔

روی عن ابی امامۃ رضؓ — حضرت ابو امامہ رضؓ سے روایت ہے

بن سهل بن حنيف ان النبي صلى الله عليه وسلم داوى وجهه يوم أحد بعظم بال وهذا لان العظم لا يتنجس بالموت على اصلنا لانه لا حياة فيه الا ان يكون عظم الانسان او عظم الخنزير فانه يكره التداوي به لان الخنزير نجس العين فعظمه نجس كلحمه لا يجوز الانتفاع به بحال و الأدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته فكما لا يجوز التداوي بشيء من الأدمي الحي اكراما له فكذلك لا يجوز التداوي بعظم الميت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كسر عظم الميت ككسر عظم الحي ۔ (ص ۸۸ ج ۱)

کہ جنگ اُحد والے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسیدہ ہڈی جلا کر اپنے چہرۂ مبارک کا علاج فرمایا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ مردار جانور کی بوسیدہ اور خشک ہڈی کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے اصول کے مطابق ہڈی میں حیات نہیں ہوتی، اس لئے جانور کے مرنے کی وجہ سے ہڈی میں موت واقع نہیں ہوتی، جب موت نہیں یا آئے گی تو ہڈی نجس نہ ہو گی، ہاں اگر انسان یا خنزیر کی ہڈی ہو تو اس کے ذریعہ علاج جائز نہیں حرام ہے اس لئے کہ خنزیر تو نجس العین ہے، پس اس کی ہڈی بھی گوشت کی طرح نجس العین ہے اور اضطراری حالت کے سوا) کسی حالت میں اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی رہا انسان تو وہ تو پورا کا پورا مرنے کے بعد بھی اسی طرح قابل احترام ہے

جیساکہ مرنے سے پہلے قابلِ احترام تھا
پس جیسے زندہ آدمی کے احترام کی
خاطر اس کے کسی حصۂ جسم کو الگ
کر کے اس سے علاج کرنا جائز نہیں؟
اسی طرح اس کے احترام کو ملحوظ
رکھتے ہوئے مرنے کے بعد بھی، اس
کی ہڈی یا کسی عضو کو دوائے علاج
کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں
ہے پس اسی انسانی احترام کے پیشِ نظر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنے میں
اس طرح گناہ ہے جس طرح زندہ انسان
کی ہڈی توڑنے میں ہے۔

JAMIA HAMDARD LIBRARY New Delhi

شرح سیر الکبیر کا مذکورہ بالا حوالہ اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ انسان زندہ و مردہ دونوں حالت میں قابلِ احترام ہے پھر یہ بات بھی ملاحظہ رہے کہ عبارتِ مذکورہ میں جن دو حدیثوں کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں پہلی حدیث تو صاف بتلا رہی ہے کہ ضرورت و حاجت کے موقع پر جانوروں کی غیر چربی دار ہڈی وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے۔ لیکن انسان کی ہڈی سے پھر بھی علاج جائز نہیں۔

دوسری حدیث سے بھی بعینہٖ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

مزید یہ کہ انسانی احترام میں کافر اور مسلمان دونوں برابر ہیں جس طرح مسلمان کی ہڈی یا دوسرے اعضاء کی قطع و برید کر کے علاج جائز نہیں اسی طرح کافر کی

ہڈی یا دوسرے اعضاء سے علاج کرنا بھی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان کا احترام عام انسانوں سے تو کہیں زیادہ ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک مسلمان جو اسلامی ملک میں رہتا ہے اور اسلامی ملک کا باشندہ ہے اس کی جان و مال کو احترام تین وجوہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(الف) ایک تو اس وجہ سے کہ وہ انسان ہے اور ایک انسان کی جان و مال کا تحفظ اور اس کا احترام دوسرے انسان پر انسانیت کی بنیاد پر لازم ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوق ہے۔

(ب) دوسرے اس وجہ سے کہ اس نے دین اسلام قبول کیا ہے خدا اور رسول اور دوسری ضروریات دین پر ایمان لایا ہے۔

(ج) تیسرے اس وجہ سے کہ وہ ایک اسلامی ملک کا باشندہ ہے۔

اس کے برعکس جو مسلمان اسلامی ملک کا باشندہ نہیں بلکہ کسی کافر ملک کا باشندہ ہے اس کو صرف دو وجہ سے تحفظ و احترام حاصل ہو سکتا ہے ایک تو انسانیت کی بنیاد پر، دوسرا اسلام لانے کی بنا پر۔

اسی طرح جو کافر کسی اسلامی ملک کا باشندہ ہو اس کی جان و مال کو بھی دو وجہ سے تحفظ و احترام حاصل ہوتا ہے ایک تو انسانیت کی بنیاد پر اور دوسرے اسلامی ملک کا باشندہ ہونے کی بنا پر، کیونکہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے کافر ملک میں رہنے کے مقابلہ میں اسلامی ملک میں رہنے کو ترجیح دی ہے لیکن جو کافر کسی اسلامی ملک میں نہیں بلکہ کسی کافر ملک میں رہتا ہے اس کو صرف انسانیت کی بنیاد پر احترام حاصل ہے۔

سیر الکبیر میں مردہ انسان کی ہڈی کا استعمال ناجائز ہونے پر جس حدیث سے استدلال کیا گیا اس حدیث کے مورد بیان کو دیکھا جائے تو یہ ایک ـــــ

غیر مسلم یہودی کا مسئلہ تھا لیکن الفاظ حدیث کو اگر دیکھا جائے تو اس میں عموم ہے اور عموم الفاظ سے عموم مفہوم مراد ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ "احترام انسانی" صرف مسلمان اور یہودی کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام بنی آدم کو انسانیت کی بنیاد پر حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ متبوعین اور تمام فقہاء و علماء کا اس پر اتفاق ہے، کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری سے علاج جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے۔

انسان مال نہیں اس لئے وہ اور اس کے اعضاء ناقابل وصیت اور ناقابل ہبہ ہیں

جواب ۱۳۷۔

فقہ اور اصول میں یہ قاعدہ ہے کہ انسان جس شئے کا مالک نہیں کسی دوسرے کو اسی شئے کے دینے کے بارے میں وصیت نہیں کر سکتا۔ البتہ جس شئے کا وہ مالک ہے اس کے بارے میں دوسرے کے لئے وصیت کر سکتا ہے۔ تفصیلی بحث تو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں مطالعہ کریں گے۔ ابھی صرف چند حوالہ جات پر اکتفا کرتا ہوں۔

تمام فقہا کا اجماع ہے کہ ہبہ و عطیہ کرنے یا کسی کو کچھ دینے کی وصیت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ ہبہ کرنے والا وصیت کرنے والا اس شئے کا مالک ہو یہی وجہ ہے کہ مستعار (کسی شئے کو عاریت پر لینے والا) جس کے پاس وہ شئی امانت موجود ہے یا اباحتہً جس کو کچھ دیا گیا یا استعمال کا جس کو حق ملا ہے اسے اس بات کا حق نہیں کہ شئے مستعار یا استعمال کے لئے لی ہوئی چیز کسی دوسرے کو ہبہ یا عطیہ کر دے۔ نہ ہی اس کو ایسے مال کے بارے میں وصیت کا حق ہے۔

(دیکھئے، الموافقات ص۳۰۲، ج ۲)

اور چونکہ انسان اور انسانی اعضاء مال نہیں لہٰذا اس کا ہبہ کرنا یا دوسرے کی ملکیت میں دینے کی وصیت کرنا جائز نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:۔

"حُرّ۔ یعنی آزاد آدمی مال نہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔ اُمّ ولد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی ایک طرح آزاد ہے لہٰذا اسے فروخت کیا جائے گا نہ ہی ہبہ کیا جا سکے گا۔ (البحر الرائق صـ۳۰۸ ج۶ کذا فی البدائع صـ۱۴۰ ج ۵)

صاحب بدایۃ المجتہد ابن ارشد مالکی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"واہب (ہبہ کرنے والا) کے لئے بالاتفاق یہ شرط لازمی ہے کہ وہ شے موہوب کا مالک ہو۔ (بدایۃ المجتہد صـ۳۲۵، ج ۲، کذا فی المبسوط صـ۱۴۲ ج۲)

مذکورہ بالا کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ انسان صرف اپنے جسم و اعضاء سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کسی دوسرے انسان کو ہبہ نہیں کر سکتا نہ ہی ہبہ کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔

جواب ۱۴: انسان بحیثیت انسان مال نہیں اس لئے وہ ناقابل فروخت ہے اسی طرح انسانی جسم یا اس کا کوئی عضو قابلِ بیع نہیں ہے نہ ہی قابلِ ہبہ ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن میں تین شخصوں کے خلاف مدعی اور مخاصم بنوں گا اس میں ایک شخص وہ ہوگا جو کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرے گا۔

(بخاری شریف صـ۲۵۷، ج ۱)

معلوم ہوا کہ انسان اور انسانی جسم قابل فروخت نہیں، جو شخص انسان یا اس کے اعضاء کو فروخت کرے گا تو وہ شخص حدیث مذکور کی رو سے وعید کا

مستحق ہوگا۔ نیز بیع کی تعریف میں یہ چیز ملحوظ ہے کہ تبادلہ مال کا مال سے ہو۔ جب انسان اور اس کے اعضاء مال ہی نہیں تو اس کی خرید و فروخت کیسے جائز ہوگی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے بدائع صـ۱۴۲، ج ۵ ۔ فتح القدیر صـ۶۵، ج ۱، ہدایہ صـ۳۹ ، ج ۲ ۔

یہ تو سوالنامہ کا جواب تھا۔ احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں ترتیب وار ہر سوال کا جواب مختصر طور پر دیا گیا۔ ان تمام دلائل کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ اعضاء کی پیوندکاری کسی صورت میں بھی جائز نہیں اب ہم ان دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں جو اعضاء کی پیوندکاری کو جائز کہنے والے پیش کرتے ہیں، دراصل ان حضرات کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو کچھ مغالطے لگے ہیں اور انہی مغالطوں کو بنیاد بنا کر انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اعضاء انسان کی پیوندکاری کو جائز بتلانے والوں کے مغالطے اور انکا تجزیہ

(الف) سب سے بڑا مغالطہ ان کا یہ ہے کہ انسان جس طرح اپنی ذات کے فائدے اور منفعت کے لئے اپنے اموال کا مالک و مختار ہے۔ جب چاہے خرید و فروخت کر سکتا ہے، ہبہ و عطیہ دے سکتا ہے۔ صدقہ و خیرات کر سکتا ہے، ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے، اسی طرح اپنے جسم کا بھی مالک ہے اور اس میں بھی مال کی طرح جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

چنانچہ پاکستان آئی بینک سوسائٹی کی طرف سے شائع ہونے والے

رسالہ "اجالا" شریعت نمبر (اپریل تا اکتوبر ۱۹۷۹ء) میں "قرنیہ کی پیوندکاری جائز ہے یا ناجائز؟" کے عنوان سے ایک محقق کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں موصوف اپنے ہی نظریہ کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہے۔

" مال و جسم دونوں اس لحاظ سے کہ ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں یا کہ دونوں سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے اور دونوں پر انسان کی ملکیت قائم ہوتی ہے اور دونوں کے اندر اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو ہر ایسے تصرف کا اختیار دیا ہے جو اس کے لئے دنیا و آخرت میں مفید اور نفس بخش ہو۔ (ص ۱۹ کالم ۱)

اس کے بعد نتائج اخذ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

" یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ انسان اپنے جسم اور اعضاء جسم کا مالک ہے، آنکھوں کی وصیت جائز ہونی چاہیئے "

ان کا یہ نظریہ یا تو غلط فہمی پر مبنی ہے یا پھر انہوں نے لوگوں کو دانستہ طور پر مغالطہ میں ڈالنے کی ناروا کوشش کی ہے (مضمون نگار نے استدلال میں جو کچھ لکھا ہے اس پر بحث انشاء اللہ آگے آرہی ہے)

(ب) دوسرا مغالطہ ان سے یہ ہوا ہے کہ ان حضرات نے اصولی قاعدہ "الضرورۃ تبیح المحظورات" حقیقت میں سمجھا ہی نہیں، اسی لئے تو انسانی ضرورت کے اقسام کو گڈمڈ کر کے ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا ہے چنانچہ ضرورت کے انواع اور احکام کے اعتبار سے ان میں جو فرق ہے اس کا نہ صرف یہ کہ لحاظ نہیں کیا بلکہ اس کو قانونِ عام سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ضرورت کے مراتب اور درجات میں سے ایک کا نام اضطراری حالت ہے (جو ضرورت کا آخری اور انتہائی درجہ ہے) اس کے بعد بھی ایک درجہ ہے جو اضطرار سے تو کم ہے مگر وہ بھی ضرورت ہے اس کو فقہائے کرام حاجت سے تعبیر کرتے ہیں

اور اس سے بھی ایک درجہ کم ہے جس کو منفعت کہا جاتا ہے ۔ اور اس سے کم بھی درجہ ہے جسے تزئین اور تحسین کہا جاتا ہے ، یہ سب ضرورت کے درجے ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے لیکن ان حضرات نے ان میں کوئی فرق نہیں کیا بلکہ اضطرار، حاجت اور منفعت کو ایک ہی قرار دیا چنانچہ مضمون نگار لکھتے ہیں۔

"آنکھوں کی وصیت سے ایک ضرورت مند انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہے اور بینائی مل جاتی ہے یعنی نابینا آدمی کو بینائی کے لئے قرنیہ کی ضرورت ہے اس لئے بینا آدمی کے قرنیہ کی بدولت اگر نابینا آدمی کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے تو کیا حرج ہے " (اجالا ص ۱۹)

حالانکہ اصولِ شریعت کے مطابق نابینا آدمی کی ضرورت اضطرار کے تحت نہیں آتی بلکہ وہ ایک خاص منفعت ہے زیادہ سے زیادہ اسے حاجت کہا جاسکتا ہے لیکن شریعت کے نزدیک رفعِ حاجت کے لئے حرام کو حلال کرنا جائز نہیں ، نہ ہی اس سے کوئی ممنوع شے مباح ہوتی ہے ۔ تفصیلات عنقریب آرہی ہیں ۔

(ج) تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ اعضاءِ انسانی کی پیوندکاری کی اجازت دینے والوں نے نفع اور نقصان دونوں کو سامنے نہیں رکھا منفعت اور مضرت میں میں فرق نہیں کیا بلکہ صرف نفعِ عام کو دیکھا ضررِ عام کا کچھ لحاظ نہ کیا یعنی اس بات کو دیکھا ہے کہ اعضاءِ انسان کی پیوندکاری سے بہت سے فوائد حاصل ہونگے۔ لنگڑے کو ٹانگ اور بے ہاتھ کو ہاتھ اور نابینا کو بینائی مل جائے گی ، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان باتوں کو نہ دیکھا کہ اعضاءِ انسان کی پیوندکاری میں دنیوی اور اخروی قباحتیں و مضرتیں کس قدر خطرناک اور تباہ کن ہیں گویا کہ انہوں نے اصولِ شرع کے اس قاعدہ " دفع الضرر مقدم علی جلب المنفعة " (نقصان کو دور

کرنا حصولِ نفع پر مقدم ہے) کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

مطلب یہ کہ اگر کسی کام میں فائدہ کے ساتھ نقصان ہے تو فائدہ کو نہیں دیکھا جائے گا ضرر کو دیکھا جائے گا۔ ' یک آدمی کے پاس کوئی عضو نہیں ہے اور دوسرے کے پاس موجود ہے تو چونکہ اس شخص کے لئے جس کے پاس عضو نہیں ہے دوسرے سے عضو لینے میں اس دوسرے کا ضرر ہونا ظاہر ہے اسی لئے دوسرے کا عضو لے کر یہ شخص فائدہ نہیں حاصل کر سکتا۔

تفصیلات انشاء اللہ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

(د) چوتھا مغالطہ یہ ہے کہ یہ حضرات دنیوی نقصان کو آخرت کے نقصان کے مقابلہ میں نہ صرف ترجیح دیتے ہیں بلکہ اخروی نقصان کو کوئی قابلِ اعتبار نقصان نہیں سمجھتے جس کا اثر عقیدہ پر پڑتا ہے جو کہ انتہائی خطرناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ مدسالہ مذکور میں مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں۔

"جب ایک اندھے نابینا آدمی کو بینائی ملتی ہے پھر جب منفعت اور مضرت کے دو پہلوؤں پر یہ دیکھنے کے لئے غور کیا جاتا ہے کہ کونسا پہلو غالب ہے اور کونسا مغلوب نظر آتا ہے۔ لہٰذا چوتھے قاعدے کے تحت نابینا آدمی کی بینائی کی خاطر مردہ آدمی کی آنکھیں لینے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے:" (اجالا شریعت صـ۲۲ نمبر اپریل تا اکتوبر ۱۹۰۹ء)

ہم سب سے پہلے ان مذکورہ بالا مغالطوں پر قرآن و سنت اور اصولِ شرع اور فقہی جزئیات کی روشنی میں بحث کریں گے۔ پھر ترتیب وار ان مغالطوں کے جوابات دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، بلکہ پوری کائنات کو جن و انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا اور انسان و جن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ "وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے فائدے کے لئے پیدا فرمائیں"

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ "اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں "خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"یعنی انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا جیسے حیوان، نباتات، خزانے، کان، پہاڑ وغیرہ ہیں، دوسری ایک آیت میں ہے کہ زمین و آسمان جو کچھ ہے اُسے تمہاری خدمت کے لئے مقرر کر دیا" (تفسیر کبیر ص۱۵۳، ج۲)

انسان مخدوم ہے اور تمام کائنات اس کی خادم ہے، لیکن اللہ تعالے نے ابتلاء و امتحان کے لئے ہر چیز کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے، جیسے خیر و شر، ایمان و کفر، نیکی و بدی، پھر جانوروں میں بعض کو طیب و حلال اور بعض کو خبیث و حرام، ماکولات و مطعومات میں بعض اشیا کو حلال اور بعض کو حرام، استعمالی اشیاء میں بعض اشیاء کے استعمال کو جائز اور بعض کے استعمال کو، جائز قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث کی نصوص اس سے بھری پڑی ہیں کہ انسان کے لئے اللہ تعالے نے ہر اچھی چیز کو پسند فرمایا، اور برائیوں کو ناپسند فرمایا۔ تمام پاک و طیب چیزوں کو حلال کیا۔ اور اس کی ترغیب دی، ناپاک اور خبیث و گندی چیزوں سے منع کیا اور ان سے روکا۔

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ اللہ تعالےٰ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

( )

۲ ۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (آیت ۱۶۸، البقرۃ)	اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال و پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔
۳ ۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (آیۃ ۸۸ المائدۃ)	اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے جو حلال و مرغوب ہو وہ کھاؤ۔
۴ ۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ۔(آیۃ ۱۱۴، النحل)	جو روزی اللہ نے تم کو حلال و پاکیزہ دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔
۵ ۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۔(آیۃ ۱۰، سبا)	اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔
۶ ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (آیۃ ۴، المائدۃ)	لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال کی گئی ہے، آپ کہہ دیجئے تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

یہ چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتوں اور حلال و پاکیزہ چیزوں کے استعمال کرنے اور ان پر خدا کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے یہ بھی بتایا کہ پاکیزہ اور حرام اشیاء دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ	آپ ان سے کہہ دیں کہ پاکیزہ اور ناپاک چیزیں برابر نہیں، اگرچہ

الْخَبِيْثِ (آیۃ ۱۰۰، سورہ مائدہ) — ناپاک چیزوں کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈالتی ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

"اور اسی میں انسان کی تکریم و تفضیل ہے" انسان کائنات میں افضل الکائنات و افضل المخلوقات ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (آیۃ ۷۰، سورۃ الاسراء)

اور بلاشبہ ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں چلنے والی سواریوں پر سوار کیا، اور ہم نے ان کو عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور ہم نے بنی آدم کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت عطا کی۔

صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں :-

انہ تعالیٰ قال اولاً ولقد کرمنا بنی ادم و قال سبحانہ ھھنا (وفضلناھم) فلابد ممن فرق بین التکریم و التفضیل لئلا یلزم التکرار، والاقرب فی ذلک ان یقال انہ تعالیٰ فضل الانسان علی سائر الحیوانات بامور خلقیۃ

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں (انسان کی منقبت میں) دو چیزوں کو ذکر فرمایا ہے ایک تکریم اور دوسری تفضیل، اور ان دونوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے تاکہ تکرار نہ ہونے آئے۔ اور اس میں سب سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سارے فطری اور خلقی امور

طبعیۃ ذاتیہ مثل العقل و النطق والخط والصورۃ الحسنۃ والقامۃ المدیدۃ ثم انہ عزوجل عرضہ بواسطۃ ذلک العقل و الفہم لاکتساب العقائد الحقۃ والاخلاق الفاضلۃ فالاول ہو التکریم والثانی ہو التفضیل الخ۔ (تفسیر کبیر ص۱۶ ج ۱۲، کذا فی روح المعانی ص۱۱۸ ج ۱۵)

میں تمام حیوانات پر فوقیت اور برتری دی ہے جو کہ ذات انسان میں رکھ دیئے گئے ہیں اور بعض امور کو خلقت پر زائد اور اضافی رکھ دیا ہے جیسے کہ عقل، قوت دانائی بطریق احسن بدن اور جسم انسانی کی تقویم احسن صورت میں اس کی تزئین و تحسین کی۔ پھر اس کو حکمت و فہم عطا کیا تاکہ عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ کا اکتساب کرے پہلی والی اشیاء تکریم میں داخل ہیں اور دوسری قسم کی اشیاء تفضیل میں شامل ہیں"

آیت مذکورہ کی اس تفسیر سے صاف ظاہر ہوا کہ تخلیق انسان میں اعضائے انسان کی ترتیب اور اس کی فطری ہیئت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی تکریم ہے اور اس کے اندر عقل و فہم اور حکمت کا رکھنا دوسری مخلوق پر تفضیل ہے۔ قسم اول میں قطع و برید کرنا تکریم کے خلاف ہے اور دوسری قسم کی چیزوں میں بگاڑ پیدا کرنا تفضیل کے خلاف ہے۔

۲۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۃ التین)

ہم نے انسان کو بہترین تقویم و تعدیل میں پیدا کیا۔

تفسیر کبیر میں ہے:-

المراد من الانسان ہذہ الماہیۃ والتقویم تعبیر الشیٔ

یعنی متوازن اعضاء کو متوازن ترکیب سے جوڑا اور انسان کی صورت کو

علیٰ ما ینبغی ان یکون فی التألیف والتعدیل وبعدا سطر عن یحییٰ بن اکثم القاضی انہ فسر التقویم بحسن الصورۃ (منا ج ۳۲)

بہترین صورت بنایا۔

قرآنِ کریم کی آیاتِ مذکورہ سے واضح ہوا کہ انسان کی پیدائشی شکل وصورت من جانب اللہ اس کی تکریم ہے اور اس کی طبعی تخلیق کے اندر قطع و برید کرنا تغیر خلقِ اللہ ہے اور تکریمِ انسانی کے منافی بھی ہے، اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کائنات کی اشیاء کو استعمال کرنے والا تو ہے لیکن خود مستعمل ہونے والا نہیں۔

لہٰذا انسان کا ابتذال اور اس کا استعمال بصورتِ قطع و برید یا بیع وہبہ کر کے ناجائز ہوگا۔ انسان مکرّم ہے اس کا جسم اور انسانی اعضا اس کے پاس "مباح الاستعمال" ہے اس لئے خود کے واسطے تو اس کا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ دوسرے کو تملیک اور ہبہ کرنے کی اجازت نہیں، دوسرے لفظوں میں یہ چیزیں اللہ تعالےٰ کی امانت ہے۔

عن جابر ان الطفیل بن عمرو الدوسی اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال یارسول اللہ هل لك فی حصن حصین ومنعۃ، فقال حصن کان لدوس فی الجاھلیۃ فابی ذلك النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور لشکر چاہتے ہیں؟ آپ نے قبول نہ کیا، اس وجہ سے

للذي ذخر الله للانصار فلما
هاجر النبي صلى الله عليه وسلم
الى المدينة هاجر اليه الطفيل
بن عمرو ؓ وهاجر معه رجل
من قومه فاجتووا المدينة
فمرض فجزع فاخذ مشاقص له فقطع
بها براجمه فشخبت يداه
حتى مات فرآه الطفيل بن عمرو
في منامه فرآه وهيئته حسنة و
رآه مغطيا يديه فقال له
ما صنع بك ربك قال غفرلي
بهجرتي الى نبيه صلى الله
عليه وسلم فقال له مالي
اراك مغطيا يديك قال
قيل لن نصلح منك ما افسدت
فقصها الطفيل على رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
اللهم وليديه فاغفر.
(رواه مسلم ص۷۶ ج ۱، ومسند احمد
ص۳۷۱ ج ۳)

کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے حق میں یہ
بات لکھ دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان کے پاس رہیں ان کی حمایت
وحفاظت میں رہیں تو جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف
ہجرت کی تو طفیل بن عمرو ؓ نے بھی
ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم
کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی، پھر
مدینہ کی ہوا ان کو ناموافق ہوئی اور
ان کے پیٹ میں عارضہ پیدا ہوا وہ
شخص جو طفیل ؓ کے ساتھ آیا تھا بیمار
ہوا اور تکلیف کے مارے اس نے
گنڈاسا لے کر اپنی انگلیوں کے جوڑ
کاٹ ڈالے اور دونوں ہاتھوں سے
خون بہنا شروع ہوا یہاں تک کہ
وہ مر گیا، پھر طفیل بن عمرو ؓ نے اس کو
خواب میں دیکھا اس کی شکل بہت
اچھی تھی لیکن اپنے دونوں ہاتھوں کو
چھپائے ہوئے تھا، طفیل ؓ نے کہا تیرے
رب نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا اس
نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
نے بخش دیا ہے، طفیل رض نے کہا دونوں
ہاتھوں کو کیوں چھپائے ہوئے ہو،
اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی
جانب سے کہا گیا کہ جس کو تم نے اپنے
ہاتھ سے بگاڑا ہم ان کو ٹھیک نہیں
کریں گے، پھر طفیل رض نے یہ خواب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بیان کیا، آپ نے اس کے دونوں
ہاتھوں کے لئے دعا فرمائی، کہ اے
اللہ! اس کے دونوں ہاتھوں کے
بارے مغفرت فرما دے، اللہ تعالیٰ
نے اسے بخش دیا (طفیل رض نے پھر
خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے
اس کے دونوں ہاتھوں کو درست
فرما دیا)

یہ حدیث اس بات پر بڑی عبرت انگیز ہے۔ انسانی اعضاء میں خود انسان ایسے تصرف نہیں کر سکتا جس سے تقویم الٰہی اور خلقت خداوندی میں فرق پڑتا ہو، دیکھئے حدیث مذکور میں جن کا ذکر ہے وہ صحابی تھے انہوں نے بیماری کی تکلیف سے بچنے کی غرض سے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ دیا جس کے نتیجے میں سارا خون جاتا رہا، بالآخر انتقال کر گئے، اور اللہ تعالیٰ

نے ہجرت کی برکت سے ان کے خودکشی کے گناہ کو تو معاف کردیا، البتہ دونوں ہاتھوں میں وہ حصہ مفقود نظر آیا جہاں سے کاٹ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے ان کے کاٹے ہوئے ہاتھوں کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا دیکھا۔ جب انہوں نے خواب ہی میں اپنے ساتھی سے پوچھا کہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا تو جواب ملا کہ مجھے خالق کائنات کی جانب سے جواب دیا گیا کہ جس کو تو نے تصرف کرکے ضائع کیا اس کو ہم درست نہیں کریں گے۔

جب یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو اس کی توثیق کی اور ان کے ہاتھوں کے لئے دعا فرمائی "اللھم ولیدیہ فاغفر"۔

حدیث مذکور کی تشریح سے یہ چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ انسان کو اعضاء میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔

۲۔ بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک یا کسی عضو کو کاٹ کر خودکشی کرنے کی اجازت نہیں۔

۳۔ جو لوگ اعضائے انسان میں تصرف کرکے تقویم انسانیت میں فساد پیدا کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ صورتِ حسنہ میں تغیر کرتے ہیں اگر اللہ تعالےٰ نے انہیں معاف نہیں کیا تو مرنے کے بعد بھی وہ مفقود الاعضاء رہیں گے۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ تقویم الٰہی اور انسانی خلقت میں قطع و برید اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

واضح رہے کہ کسی کو اس سلسلہ میں شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کسی عضو کو دے دینے کی صورت میں اعضاء مفقود کا حساب وکتاب نہ ہوگا اور نہ ہی عذاب ہوگا کیونکہ یہ شبہ فسادِ عقیدہ کی بناء پر آسکتا ہے جو کسی مسلمان کا نہیں

ہو سکتا۔ بلکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ روزِ قیامت حساب وکتاب کے لئے تمام اعضار کو جمع کیا جائے گا اور یہ بات نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا ایمان بالآخرت کا ایک حصہ ہے۔

آخرت میں لوگ دو طرح کے ہوں گے، ایمان دار، اور کافر، اگر کوئی شخص مرجاتا ہے اور وہ کافر ہے تو وہ خود اور اس کے تمام اعضار جہنم میں جائیں گے، کفر کے گناہ کے ساتھ ساتھ اعضار کی قطع وبرید کا عذاب بھی ہوگا اور اگر یہ شخص مومن ہے تو اس میں اس کی دو صورتیں ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے ابتداءً جہنم میں جائے گا اور اس میں ضائع کردہ اعضار اس لئے دیئے جائیں گے تاکہ وہ اعضار اپنے کئے ہوئے گناہوں کی سزا بھگتیں، پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو معاف کر دیں گے اور ہاتھوں کو واپس کر دیں گے، اگر معاف نہیں کیا تو اعضار کو ضائع کرنے کے گناہ میں مزید جہنم میں عذاب ہوگا۔ اور جنت میں سزا کے بعد جائیں گے، اس تفصیل کے لئے بخاری شریف کی حدیث پر (جو آگے آرہی ہے) غور کیجئے جس کو امام بخاریؒ نے "باب قاتل النفس" میں ذکر کیا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے واضح ہدایت موجود ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیوی ذلت کے مقابلے میں خودکشی بہتر ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی جان وجسم کا مالک ہے، جو چاہے اس میں تصرف کرے، وہ حدیث ملاحظہ ہو:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین
قال من حلف بملۃ غیر الاسلام	پر قصداً جھوٹی قسم اٹھاتا ہے اس نے
کاذبا متعمدا فھو کما قال،	جیسا اقرار کیا ویسا ہو جائے گا، اور
ومن قتل نفسہ بحدیدۃ	جس نے کسی لوہے سے اپنے آپ

عُذب بمعانی نار جہنم۔ (بخاری ص۱۸۲ ج ۱، بخاری ج۲ ص۹۸۳ میں بحدیدۃ کی جگہ بشئی کا لفظ موجود ہے)

کو قتل کیا یا کسی بھی چیز سے خودکشی کی تو اسی آلہ جارحہ کے ذریعہ یا جس چیز سے اس نے خودکشی کی اس کو اسی طرح کا عذاب دیا جائے گا۔

یعنی جو لوگ دانستہ طور پر جھوٹ موٹ اس طرح حلف اٹھاتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو وہ کافر ہو جائے گا، یہودی، نصرانی ہو جائے گا، حالانکہ ایسا حلف اٹھانے والا جھوٹی قسم اٹھا رہا ہے تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، اس کا ایمان سلب ہو جائے گا جب کہ کہنے والا کفر یا یہودیت اور نصرانیت پر راضی ہو پھر اسے تجدید ایمان لازم ہوگی اور جو شخص کسی آلہ قتل سے اپنے آپ کو قتل یا خودکشی کرے تو اسی آلہ قتل کے ذریعہ اسے عذاب دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے۔

عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان برجل جراح فقتل نفسہ فقال اللہ تعالیٰ بدرنی عبدی بنفسہ حرمت علیہ الجنۃ۔ (بخاری ص۱۸۲ ج۱)

آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے ہاتھ میں کوئی آلہ جارحہ موجود تھا اس نے اسی سے خودکشی کر لی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے مجھ سے سبقت کرنے کی کوشش کی اس لئے میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔

حدیثِ مذکور میں خودکشی کی حرمت اور جہنم میں جانے کا سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسابقت و مبادرت بتلایا گیا یعنی ہر نفس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجل مقرر کر دیا ہے وہی موت کا مالک ہے اور اجل مقرر کرنے والا ہے لیکن خودکشی کرنے والے نے اس سے سبقت کرنے کی سعی کی ہے جو اس کے لئے

ناجائز تھا۔

یہ دوسری بات ہے کہ اس کا اقدام خودکشی "اجل مسمّیٰ" کے مطابق ہوگیا اس کو اس اقدامِ خودکشی اور اپنے نفس کو بلا وجہ ہلاک کرنے پر سزا دی جائے گی اور جس نوعیت وکیفیت سے اس نے خودکشی کی ہے اسی نوعیت وکیفیت سے اسے جہنم میں سزا ملے گی اور حدیث میں قاتل نفس کے جہنم میں جانے اور خودکشی حرام ہونے کی یہ وجہ بالکل نہیں بتلائی گئی کہ اس نے پسماندگان کے حقوق کی حفاظت نہیں کی اور بہت سارے لوگوں کے حقوق اس سے متعلق ہیں جن کو اس نے ضائع کیا ہے، جیسا کہ ہمارے بعض جدید طبقہ کے محققین اور دانشور سمجھتے ہیں، حدیث شریف کے اندر اس طرح علّت نکالنا خالص رائے زنی ہے جو بالکل باطل وفاسد ہے خصوصًا جب کہ نصوص کے خلاف ہو۔ چنانچہ خودکشی کی حدیث کی علّت کے لئے درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی یخنق نفسہ یخنقھا فی النار والذی یطعنھا یطعنھا فی النار۔ (بخاری ص۱۸۲ ج۱)	جو شخص گلا گھونٹے گا اسے جہنم میں گلا گھونٹنے کے ساتھ عذاب دیا جائیگا اور جو شخص نیزے کے ذریعے خودکشی کرے گا اس کو نیزہ زنی سے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے جو زہر کھا کر خودکشی کرے گا اسے زہر دے دے کر عذاب دیا جائے گا۔ شارحین نے لکھا ہے "جزاء من جنس العمل" سزا جرم کے مطابق ہوتی ہے (عمدۃ القاری ص۱۸۰ ج ۲۳، فتح الباری ص۵۳۹ ج ۱۱)

جس نوع اور جس کیفیت سے خودکشی کرے گا جہنم میں اسی نوع اور اسی کیفیت اور اسی شئی کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور جہنم میں مسلسل یہ شخص

خودکشی کرتا ہے گا۔ (بخاری صـ۸۶۰ ج ۲)

اس سے قبل حدیث ابی الطفیل بروایت مسلم صـ۷ ج ۱، و مسند احمد صـ۳۷۰ ج ۳ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ کر خودکشی کی اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو اس عضو سے محروم کرکے سزا دی جائے گی،
اور حدیث ابوہریرہؓ بروایت بخاری سے معلوم ہوا کہ جہنم میں اسے اسی عضو کو کاٹ کاٹ کر خودکشی کرنے پر مامور کیا جائے گا۔

ان احادیث پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم وجان کا مالک نہیں کہ جہاں چاہے جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے یہ ضرور ہے کہ اس سے انتفاع حاصل کرنے کی اجازت ہے لیکن انتفاع کے اختیار سے ملکیت کا آنا بالکل ضروری نہیں خودکشی کرنے کی حرمت والی روایت کے ذیل میں شارح بخاری ابن حجر عسقلانی رحمہ لکھتے ہیں

قولہ باب ملجاء قاتل النفس قال ابن رشید مقصود الترجمۃ حکم قاتل النفس والمذکور فی الباب حکم قاتل نفسہ فھو اخص من الترجمۃ ولکنہ اراد ان یلحق بقاتل نفسہ قاتل غیرہ من باب الاولیٰ لانہ اذا کان قاتل نفسہ الذی لم یتعد ظلم نفسہ ثبت فیہ الوعید	علامہ ابن رشیدؒ نے لکھا کہ ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد مطلقاً قاتل نفس کا حکم بیان کرنا ہے جب کہ حدیث الباب میں صرف خودکشی کرنے والے کا حکم مذکور ہے۔ ترجمۃ الباب عام ہے اور حدیث اس سے خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری خودکشی کرنے والے کا حکم دوسرے انسان کو قتل کرنے والے پر لگانا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ خودکشی کرنے والا

الشدید فاولیٰ من ظلم غیرہ بافاتتہ نفسہ۔
(فتح الباری ص۲۲۷ ج۳)

اپنی جان اور جسم کے علاوہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا جب کہ دوسرے کو قتل کرنے والا تعدی و ظلم کرتا ہے۔ اگر بتقاضائے حدیث خودکشی کرنے والے کے لئے اتنی بڑی وعید ہے کہ جہنم میں جائیگا اور ہمیشہ رہیگا اور خودکشی کرنے کی نوعیت کے اعتبار سے اسے عذاب دیا جائیگا تو جو شخص قتل جسم یا قطع اعضاء کے ذریعے دوسرے پر ظلم کرتا ہے وہ بطریق اولیٰ وعید و عذاب کا مستحق ہوگا۔

یہاں پر فتح الباری کی عبارت " اذا کان قاتل نفسہ لم یتعد ظلم نفسہ .. (خودکشی کرنے والا اپنی جان کے علاوہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خودکشی حرام ہونے کی یہ علت ہرگز نہیں کہ اس سے ورثاء اور پسماندگان کو ضرر پہنچتا ہے ان کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، جیسا کہ جدید طبقہ کے بعض محقق سمجھتے ہیں۔ بلکہ بخاری شریف کی مذکورہ بالا روایات میں یہ وجہ بتائی گئی کہ اس کو عذاب جہنم کی سزا اس لئے دی جائے گی کہ اس نے انسانی جسم میں ناروا تصرف کیوں کیا جس کا اسے اختیار نہ تھا اس نے تصرف الٰہی میں مداخلت کیوں کی جس کا حق اسے حاصل نہ تھا اس لئے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

قتل نفس (خودکشی) کی حرمت کی وجہ وعلت کے بارے میں حدیث وائمہ حدیث کی تصریحات اس پر ہیں کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ومختار نہیں

آیئے قتل نفس (خودکشی) کی حرمت کی وجہ اور علت کے بارے میں نصوص شرعیہ اور ائمہ حدیث اور شارحین حدیث کی تصریحات کی روشنی میں دیکھتے ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی حدیث " ومن قتل نفسہ " کے ذیل میں خودکشی کی وجہ لکھتے ہیں۔

قوله عذب به في نار جهنم
قال ابن دقيق العيد هذا من باب مجانسة العقوبات الاخروية للجنايات الدنيوية ويؤخذ منه ان جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره في الاثم لان نفسه ليست ملكاً له مطلقاً بل هي لله تعالى فلا يتصرف فيها الا بما اذن له فيه
(فتح الباری ص۵۳۹ ج۱۱)

خودکشی کرنے والے کو جس شئی سے اس نے خودکشی کی ہے اسی سے عذاب دیا جائے گا یہ جزاء من جنس العمل کے قبیل میں سے ہے یعنی جس قسم کی چیز سے اس نے خودکشی کی ہے اسی قسم کی چیز سے جہنم میں عذاب دیا جائیگا حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا خودکشی کرنے کا یا اپنے اعضاء کو قتل کرنے کا جرم معصیت وگناہ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے انسان کو قتل کرنے یا اس کے اعضاء کو نقصان پہنچانے میں اس وجہ سے کہ انسان کو اپنے نفس (جان وجسم)

میں مطلقاً ملک حاصل نہیں بلکہ اس کا نفس اللہ تعالیٰ کی ملک ہے لہٰذا انسان اپنی جان میں ایسا کوئی تصرف نہیں کر سکتا جس کی اسے اجازت نہ دی گئی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارتِ مذکورہ سے صاف معلوم ہوا کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کے بارے میں مالک و مختار نہیں بلکہ انسانی جسم و اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اسی وجہ سے انسان اپنے جسم و اعضاء میں قطع و برید کا تصرف نہیں کر سکتا نہ ہی ہبہ یا ملکاً اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کسی کو دے سکتا ہے خواہ قرنیہ ہو یا گردہ، دل ہو یا کچھ اور انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اظہار حقیقت کو نقل فرماتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسم بین نسائہ فیعدل و یقول اللّٰھم ھٰذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک و لا املک یعنی القلب (رواہ الترمذی ص۲۱۶، و ابو داؤد ص۲۹۰ ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان باری مقرر فرمایا کرتے تھے اور اس میں عدل اور انصاف فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، لیکن جس کا میں مالک نہیں ہوں آپ مالک ہیں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں یعنی دل تیرے قبضہ میں ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواجِ مطہرات کے حقوق میں عدل وانصاف کرنے کا بیان ہے پھر یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اقرار کیا کہ میں حقوقِ مالیہ میں عدل کرتا ہوں۔ اور دل کی محبت ومیلان کے بارے میں معذرت کرتا ہوں کہ میں دل کا مالک نہیں ہوں اس میں کمی اور زیادتی پر مواخذہ نہ کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ اس میں دل انسان کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا تصرف اس میں چلتا ہے۔ انسان کا نہیں۔

ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات دعائیہ ہیں آپؐ دعا فرماتے ہیں،

اللھم ان نواصینا وجوارحنا بیدك لم تملکنا منھا شیئا (کنز العمال ص۱۹۴ ج ۱، جامع الصغیر ص۴۹)

یا اللہ آپ نے ہماری پیشانیوں اور اعضاء وجوارح میں سے کسی شئ کا مالک ہمیں نہیں بنایا۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس طرح اپنے اموال کا مالک ہے، اسی طرح اپنے اعضاء وجوارح کا مالک نہیں جب ملکیت حاصل نہیں تو کسی عضو کی بیع، ہبہ، یا عطیہ کرنے کی وصیت ناجائز ہوگی۔

علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "الموافقات فی اصول الاحکام" میں حقوق العباد وحقوق اللہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"کہ آدمی کو اپنی جان وجسم وعقل میں حق ہے جیسا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اگر کسی آدمی نے اپنے حق کو ساقط کر دیا اور اپنے نفس

پر کسی دوسرے کو مسلط کر دیا تو آیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر آپ کہیں گے جائز نہیں تو یہ فقہ اسلامی اور سمجھداری کی بات ہے اور آپ جائز کہیں گے تو آپ نے شرع کی مخالفت کی بلکہ فقہ اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ اپنے نفس پر کسی کو مسلط کر دے تاکہ وہ اسے قتل کر دے یا اس کے اعضاء کو کاٹ لے اور اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو اس بات کا اختیار نہیں کہ خودکشی کر لے یا اپنے عضو کو کاٹے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو (سورۂ نساء) اور خودکشی پر سخت وعید آئی ہے (موافقات ص۲۷۷ ج ۲)

صاحب موافقات آگے جا کر فرماتے ہیں،

عقولِ انسانی اور اجسامِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا حق اور اس کی ملکیت ہے، خالص بندوں کے حقوق نہیں ہیں، لہٰذا کسی انسان کو اس بات کا اختیار نہیں کہ حقوق اللہ کو ساقط کر دے (موافقات ص۲۷۷ ج ۲)

مذکورہ احادیث اور فتح الباری اور موافقات کے حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ انسان کو اپنے جسم میں مالکانہ اختیار حاصل نہیں اسی وجہ سے نہ خودکشی کا مجاز ہے اور نہ کسی عضو کو کاٹنے کی اجازت ہے۔ غرض خودکشی اور اعضاء کو ناکارہ بنانے کی حرمت کی وجوہ یہ ہیں:۔

۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قابل احترام اور مکرم بنایا خودکشی کرنا اس تکریم و حرمت کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ انسان کو اپنی جان و جسم میں اس بات کا اختیار نہیں کہ اس

میں مالکانہ تصرف کرے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اپنے اختیار کو ناجائز استعمال کرتا ہے۔

۳۔ خودکشی کرنے والا خدا تعالیٰ سے مسابقت و مبادرت کرتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا۔

۴ جو شخص جسم و اعضاء میں تصرف کرتا ہے یعنی قطع و برید کر کے کسی کو دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ جسم میں تغییرِ خلق اللہ کرتا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے گزرا۔

جسمِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس میں انسان اپنی مرضی سے تصرف نہیں کر سکتا

جسمِ انسانی میں بندہ اور اللہ تعالیٰ دونوں کا حق ہے یہ ہے کہ وہ خود اس سے فائدہ حاصل کرے جو کہ حدودِ شرع کے اندر اندر ہو اللہ تعالیٰ کا حق مالکانہ تصرف کرنے کا ہے جب چاہیں انسان کو حقِ انتفاع سے محروم کر سکتا ہے اور جب تک چاہتا ہے اس کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہے اگر بندہ اپنے حق کو ساقط کر دے تو اللہ تعالیٰ کا حق اس سے ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ موافقات کے حوالہ سے معلوم ہوا۔ اس کے لئے ایک بہترین مثال سمجھ میں آتی ہے کہ آدمی کی حیثیت فقہی مسئلہ میں "عبد ماذون" کی ہے مثلاً مولیٰ و مالک اگر کسی غلام کو اپنے طور پر تجارت کرنے کی اجازت دیتا ہے تو فقہی اصطلاح میں عبدِ ماذون کہلاتا ہے۔ اور عبدِ ماذون کو مولیٰ کی جانب سے حاصل شدہ اجازت سے ہر طرح کی جائز تجارت اور کاروبار کر کے زندگی گذارنے کا حق ہوتا ہے، اس کو آزادانہ خرید و فروخت کا اختیار ہوتا ہے۔

لیکن اپنے جسم وجان کے بارے میں اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ اپنے نفس کو فروخت کر دے یا ہبہ یا صدقہ یا خودکشی یا کوئی عضو ضائع کر دے۔ بعینہ اسی طرح آزاد آدمی کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے اشیاء میں جائز تصرف کر کے زندگی گزارنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن اس کو اپنے جسم وجان میں مالکانہ اختیار حاصل نہیں اسی لئے خودکشی نہیں کر سکتا نہ عضو کو کاٹ سکتا ہے نہ اپنے جسم اور اعضاء کو ہبہ کر سکتا ہے، اور نہ صدقہ کر سکتا ہے لہٰذا انسانی اعضاء کی قطع وبرید کرنے کی اجازت نہ خود کسی آدمی کو ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے اعضاء میں تصرف کرے نہ ہی کسی دوسرے انسان کو اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ مرنے کے بعد قطع وبرید کرے۔

انسانی اعضاء کی قطع وبرید حرام وگناہ ہے خواہ زندگی میں ہو یا مرنے کے بعد

۱۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیًّا۔ (رواہ مالک ص۲۲۰، وابوداؤد ص۴۵۸ ج ۲، وابن ماجہ ص۱۱۷) اس حدیث پر بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔

انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کے جسم وروح کا تعلق باقی رہتا ہے

انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کے جسم اور روح کا تعلق ختم نہیں ہو جاتا بلکہ باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی حرمت میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں

جس طرح زندہ کو کسی قسم کی تکلیف دینا جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کو تکلیف دینا جائز نہیں۔ اور یہ کہنا کہ معترض نے سے اس کا جسم بے کار اور ضائع ہونے کے بجائے اگر زندہ انسان کے فائدے کے لئے استعمال کیا جائے تو کیا حرج ہے" جہالت و حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

چنانچہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنازہ کو اٹھا کر لوگ قبرستان کی طرف لے جاتے ہیں تو میت اگر مومن صالح اور دین دار کی ہوتی ہے تو مردہ کہتا ہے مجھے جلدی لے جاؤ اور اگر مردہ انسان مومن صالح نہیں ہوتا، کافر گناہ گار ہوتا ہے تو اپنے ساتھ چلنے والوں سے کہتا ہے ہلاکت ہو مجھے کہاں لے جا رہے اور مردہ انسان کے اس طرح کلام کرنے کو انسان و جن کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے اگر انسان اس کی آواز اور گفتگو کو سن لیتا تو بے ہوش ہو کر گر پڑتا،، (بخاری ص۱۷۶ ج ۱)

صرف یہ نہیں کہ مرنے کے بعد مردہ انسان کو دفن کرنے سے قبل ایذا دینا جائز نہیں بلکہ دفن کے بعد بھی مردہ کو زندہ لوگوں کے افعال سے تکلیف پہنچتی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اعضاء گل سڑ جاتے ہیں، منتشر اور متفرق ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ روح اور جسم کے اعضاء کے درمیان تعلق باقی رہتا ہے۔ اسی بنیاد پر مردوں کو زندوں کے بعض افعال سے خوشی ہوتی ہے اور بعض افعال سے ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہے۔

ایک صحابی رضؓ کا واقعہ ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبر پر بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا قبر سے اترو، صاحب قبر کو تکلیف مت دو، تجھے تکلیف نہیں دے گا،، (طحاوی شریف ص۲۹۴ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر کو مردہ ہونے کے باوجود زندوں کے افعال

سے ایذا پہنچتی ہے اور حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مردہ انسان کو ایذار دی جائے گی تو اس سے زندہ کو بھی ایذار پہنچے گی۔ یہی انسانی حرمت ہے۔

اور چونکہ مردہ انسانوں کو ایک نوع کی برزخی حیات بھی حاصل ہوتی ہے اسی لئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی قبرستان میں جائے تو اہلِ قبرستان کو سلام کرے "السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم۔" (ترمذی و مسلم)

اسی انسانی حرمت اور دفع ایذار کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ کو مردہ انسانوں کی قبروں کے اوپر سے گزرنے کو منع فرمایا کیونکہ مردہ انسانوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔
(طحاوی ص۳۴۶)

ایک حدیث شریف میں قبر کے اوپر بول و براز کرنے کی ممانعت کی گئی۔
(طحاوی ص۳۴۶)

اگر ان افعال سے مردہ انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے تو کیا مردہ انسانوں کی قطع و برید، چیر پھاڑ، پوسٹ مارٹم سے ان کو تکلیف نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُردوں کو تکلیف دینا زندوں کو تکلیف دینے کی طرح ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہؒ کے حوالے سے گزرا اور اس کی ہڈیوں کو توڑنا زندوں کی ہڈیوں کو توڑنے کی طرح ہے۔

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعضار انسان کی پیوندکاری اور قرنیہ کے عطیہ میں حصہ لینے والے لوگ زیادہ تر ان ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جن کا آخرت پر عقیدہ نہیں۔ اور آخرت کے نفع و ضرر، مرنے کے بعد راحت و ایذار کا تو عقیدہ

نہیں رکھتے۔ چنانچہ آئی بینک کے آرگن "اجالا شریعت نمبر" شائع شدہ ۱۹۷۹ء
میں ایک محقق صاحب لکھتے ہیں:

"اہل مذاہب میں بدھ مذہب کے لوگ اس معاملہ میں سب
سے آگے ہیں چنانچہ سری لنکا میں جن کا مذہب بدھ سے زیادہ
تر مرنے والوں کی آنکھیں نکال کر محفوظ کر لی جاتی ہیں، اور پھر
دنیا کے مختلف ممالک کو بطور عطیہ بھیجی جاتی ہیں،، (اجالا ص۱۳)

اگرچہ آج کل اس ناجائز فعل میں عیسائی اور بعض ممالک کے مسلمان بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ صرف حصہ لے رہے ہیں بلکہ باقاعدہ اس کی تحریک چلا رہے ہیں حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق انسان کے مرنے کے بعد اس کی زندگی نہیں ختم ہوتی بلکہ انسان ایک عالم سے دوسرے عالم میں جاتا ہے جو پہلے عالم کی نسبت سے زیادہ قوی ہے اور ایک جہاں سے دوسرے جہاں کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اس سے زیادہ یقینی ہے اس لئے جس طرح زندگی میں کسی انسان کو ایذا دینا جائز نہیں مرنے کے بعد بھی جائز نہیں، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں" اذی المؤمن فی حیاتہ کاذاہ بعد موتہ،، (فتح الملہم ص۵۰۶ ج ۲)

ترجمہ: کسی کو مرنے کے بعد تکلیف دینا اس کو زندگی میں تکلیف دینے کی طرح ہے

مذکورہ بالا احادیث اور ان کی تشریح سے ثابت ہوا کہ انسانی حرمت زندگی اور موت کے بعد ایک طرح کی ہے زندگی میں جو حرکتیں اس کے ساتھ جائز نہیں مرنے کے بعد بھی وہی حرکات جائز نہیں، لہٰذا جس طرح انسان زندگی میں اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دینا جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی کسی کو دینے کی وصیت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اعضاء انسانی مکرم ہونے کی وجہ سے غیر مستعمل ہیں

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ وفیہ عن اسماء بنت ابی بکرؓ وعائشۃؓ وعبد اللہ بن مسعودؓ (رواہ مسلم مطبع دہلی ص۲۰۴ ج۲)	ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے انسان کے بال کو اپنے بال سے ملانے والی عورت اور ملانے کا کام کرنے والی عورت اور چہرے پر گودانے والی عورت اور گودنے کا کام کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔

یعنی ایک عورت کے بال کاٹ کر دوسری عورت کے لئے لگانا یا استعمال کرنا جائز نہیں خواہ دوسری عورت زندہ ہو یا مردہ اور اس دوسری عورت کو بال قیمتاً دیئے ہوں یا عطیہ کے طور پر حالانکہ انسان کے بال ایسا عضو ہیں کہ اس کے کاٹنے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

امام نوویؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھٰذا الفعل حرام علی الفاعلۃ والمفعول بھا لھٰذہ الاحادیث ولانہ تغییر لخلق اللہ تعالیٰ لانہ تزویر ولانہ تدلیس (حاشیہ مسلم ص۲۰۵)	یعنی ایک عورت کا دوسری عورت کے بال کاٹ کر لگوانا اس طرح چہرہ کا گودنا اور گدوانا حرام ہے کیونکہ اس سے تغییر خلق اللہ، دھوکہ دہی اور جعلسازی کی ہے۔

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان کے بال ایسے عضو ہیں کہ جن کے کاٹنے

اور لگوانے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور وہ بھی رضاکارانہ طور پر دیئے جاتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ انسان کے دوسرے اعضاء ہاتھ پاؤں، دل، گردے، قرنیہ تو ایسے اعضاء ہیں جن کی قطع و برید سے زندگی اور مرنے کے بعد بھی مردہ کو ضرر پہنچتا ہے۔ تکلیف و ایذاء پہنچتی ہے تو ان میں قطع و برید اور پیوندکاری کرنا ناجائز اور سببِ لعنت ہوگی اس لئے کہ؛

۱۔ اعضاءِ انسانی کی قطع و برید کر کے حلیہ بگاڑنا تغییرِ خلق اللہ ہے۔

۲۔ اس لئے اس تغییرِ خلق اللہ کرنے والا اور کرانے والا دونوں شرعی مجرم ہیں، دونوں مرتکبِ حرام ہیں۔

۳۔ ایک انسان کے اعضاء کا دوسرے کیلئے استعمال ناجائز ہے۔

۴۔ کیونکہ اس سے اعضاءِ انسانی کی بے حرمتی ہے اور پوری انسانیت کی بے حرمتی کا سبب ہے چونکہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک نہیں اس لئے وہ اپنے جسم میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا اور چونکہ اعضاءِ انسانی کی قطع و برید اور پیوندکاری میں حق اللہ کا ضیاع ہے اور انسانیت کی بے حرمتی ہے اس لئے یہ تمام افعال قرآن و حدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں؛

وقد فصّله اصحابنا فقالوا ان وصلت شعرها بشعر آدمی فهو حرام بلا خلاف سواء كان شعر رجل او امرأة و سواء شعر المحرم والزوج

ہمارے ائمہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ اگر عورت نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسان کا بال ملالیا تو یہ بلا اختلاف حرام ہے، خواہ وہ بال مرد کا ہو یا عورت کا، محرم کا ہو یا غیر محرم کا

وغیرها بلا خلاف لعموم الاحادیث ولانه یحرم الانتفاع بشعر الآدمی وسائر اجزائه لکرامته بل یدفن شعره وظفره و سائر اجزائه (شرح مسلم ص۲۰۲ ج۲)

بلکہ شوہر کا ہو پھر بھی، کیونکہ حدیث میں ممانعت عام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعضاء انسانی سے انتفاع ناجائز ہے بوجہ اس کی کرامت کے بلکہ اس کے بال، ناخن اور دوسرے اعضاء سب کو دفن کر دیا جائے گا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حصہ جس کو کسی مردہ انسان یا زندہ انسان سے الگ کیا گیا وہ حصہ ناپاک ہے اور ناپاک حصہ لگانے سے وہ پاک نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے:

عن ابی واقد اللیثی رضی قال قدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة وهم یجبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم فقال ما یقطع من البهیمة وهی حیة فهی میتة (ابوداؤد ص۳۹۵ ج۲، و الترمذی ص۲۳ ج۱) بعض روایتوں میں "ما ابین من الحی هو میتة" کی عبارت ہے)

ابو واقد اللیثیؓ سے روایت ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور یہ لوگ اونٹوں کے کوہانوں کو بہت پسند کرتے تھے اور بکری کے سرین وغیرہ کو کاٹ کر کھایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا زندہ جانوروں میں سے جو حصہ کاٹ کر الگ کیا جاتا ہے وہ ناپاک اور مردہ ہوتا ہے۔

فقہ شافعیؒ کی مشہور کتاب شرح المہذب میں امام نوویؒ لکھتے ہیں،

کل حیوان نجس بالموت

تمام حیوان موت کی وجہ سے ناپاک

نجس شعرہٗ وصوفہٗ علیٰ المنصوص (شرح مہذب ص۲۳ ج۱)	ہو جاتے ہیں اس کا بال وغیرہ کا نص سے نجس ہونا ثابت ہے (اور انتفاع بالنجس نص قرآنی سے جائز نہیں ہے)۔

اسی طرح انسان بھی حیوان میں ایک نوع ہے موت کی وجہ سے اس کا جسم بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور نجس اشیاء سے انتفاع ناجائز ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ "میتہ" کی حرمت میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما ابین من الحیّ فھو میتۃ وھذا الخبر یعم الشعر والعظم والکل ص۱۵ ج ۵، وفی صفحہ ص۱۸ ج ۵، ما قطع من الابعاض فھو محرم لانّہ میتۃ ص۱۸ ج ۵،	زندہ میں جو حصّہ الگ کیا گیا وہ مردہ کے حکم میں ہے اور یہ حدیث عام ہے بال، ہڈی، بلکہ تمام اعضاء کو شامل ہے یعنی اعضاء اور اجزاء میں سے جو کاٹا گیا وہ حرام اور نجس ہے کیونکہ وہ مردہ ہے (مردہ اور نجس کی بیع اور اس سے انتفاع ناجائز ہے)۔

حدیث میں جانوروں کا حکم ہے لیکن یہ جانوروں کے ساتھ خاص نہیں ہے انسانوں کے اعضاء کو بھی شامل ہے۔ بعض روایتوں میں "ما ابین من الحیّ" کی عبارت ہے یعنی کسی بھی زندہ سے جو حصّہ کاٹ کر الگ کیا گیا ہو وہ نجس اور مردہ ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں تحریر فرماتے ہیں:

وان وقع عظمہ بعظم میتۃ او ذکی لا یوکل لحمہٗ او	اگر کسی نے اپنی ہڈی کے ساتھ کسی مردہ کی ہڈی جوڑ دی یا غیر ماکول اللحم جانور

عظم انسان فھو کالمیتۃ ینقلعہ واعاد کل صلوۃ صلاھا وھو علیہ۔ (ص۳۵۶ ج۱)

کی ہڈی کو جوڑا یا کسی انسان کی ہڈی کو جوڑا پھر تو وہ مردہ کے حکم میں ہے اس پر لازم ہے کہ اس جوڑی ہوئی ہڈی کو الگ کر دے اور اس کے ہوتے ہوئے جو بھی نمازیں ادا کی ہیں اس کا اعادہ کر دے۔

یہاں پر عقلی طور پر چند شبہات وارد ہو سکتے ہیں،

۱۔ ایک شبہ یہ ہے کہ قرنیہ اور اسی طرح دوسرے اعضا کو اگر انسان کے مرنے کے بعد الگ کیا جائے تو الگ کیا ہوا حصہ ناپاک نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ "ابین من الحی" نہیں بلکہ "ما ابین من المیتۃ" ہے اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں میتہ کو حرام کہا گیا ہے اور "نجس" کہا ہے اور انسان بھی مرنے کے بعد ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی کنویں میں آدمی گر کر مر جائے پورے کنویں کا پانی نکالنا ہوتا ہے، اس بارے میں عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث موجود ہے لہٰذا مردہ انسان تحلیل دم کی وجہ سے ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے اس کے وہ اعضاء جن کا تعلق خون سے ہے وہ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ البتہ جن اعضا میں حیات کا تداخل نہیں ہوتا شوافعؒ و حنابلہ کے نزدیک وہ بھی ناپاک ہیں جیسا کہ بال اور ناخن وغیرہ، لیکن احنافؒ کے نزدیک وہ اعضاء ناپاک تو نہیں ہوتے البتہ ان کا استعمال کرامت انسان کی بناء پر جائز نہیں جیسا کہ حدیث عائشہؓ واصلہ اور مستوصلہ سے معلوم ہوا۔

۲۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ آنکھوں میں سے قرنیہ کو زندگی میں الگ نہیں کیا جاتا بلکہ مرنے کے بعد الگ کیا جاتا ہے جب کہ قرنیہ کے اندر ابھی بھی حیات ہوتی ہے لہٰذا

دہ میتہ کے حکم میں نہیں ہوتا اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ وہ جلا کردہ حصہ مردہ کا جز ہے بظاہر اگرچہ اس میں حیات کی سی کیفیت ہے لہٰذا وہ بھی مردہ کے حکم میں ہے چنانچہ اسی ٹکڑے کے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس کو لے کر نماز صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس میں درحقیقت حیات نہیں ہے۔ بلکہ حیات کا اثر ہے اس لئے چند گھنٹوں کے بعد وہ اثر ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا شبہ یہ ہے کہ قرنیہ یا دوسرا کوئی بھی عضو مردہ سے حاصل کرنے کے بعد جب دوسرے زندہ آدمی میں پیوند کیا جاتا ہے تو اس میں زندگی آجاتی ہے پھر تو نجس نہ رہا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دوسرے اعضاء سے ملنے کی وجہ سے حیات تو آگئی اور حیات آنے کی وجہ سے نجاستِ ظاہری بھی ختم ہو گئی لیکن اس رفع نجاست کی وجہ سے رفع حرمتِ انسانی لازم نہیں آتی، انسانی حرمت کا ضیاع ہوا، حق اللہ کے اندر تعدی ہوئی تقویم خداوندی میں تغیر واقع ہوا اس لئے حیات آجانے کے بعد بھی وہ حکماً مردہ ہے لیکن حق اللہ میں تصرف کرنے کی وجہ سے پیوندکاری کرنے اور کرانے والا دونوں گنہگار ہیں۔

آزاد انسان اور اس کے اعضاء ناقابلِ بیع اور ناقابلِ انتفاع ہیں

آزاد انسان اور اس کے اعضاء چونکہ کسی کی ملکیت نہیں اس لئے نہ ان کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے مثلاً عطیہ وغیرہ سے ان کو ایک سے دوسرے میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی هريرة رضؓ عن النبی	حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال قال	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ ثلثة انا خصمهم	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے

یوم القیٰمۃ رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حرًا فاکل ثمنہٗ و رجل استاجر اجیرًا فاستوفی منہٗ ولم یعط اجرہٗ (بخاری ص۲۵ ج ۱)

روز قیامت تین آدمی میرے خصم اور مدعیٰ علیہ ہوں گے اور میں ان کے خلاف مدعی ہونگا ایک وہ شخص جو میرے نام پر عہد کرے قسم کھائے پھر مکر جاوے، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھا گیا، تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور آدمی سے پورا پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت نہیں دی۔

حدیث مذکورہ میں آزاد آدمی کی بیع کے بارے میں شدید وعید آئی ہے، ظاہر ہے جس طرح آزاد آدمی کا فروخت کرنا جائز نہیں اس کے اعضار کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اور یہ اصول ہے کہ جس چیز کی بیع جائز نہیں اس کا ہبہ اور عطیہ بھی جائز نہیں اور وصیت بھی جائز نہیں، واضح رہے کہ جس طرح مسلمانوں کی بیع جائز نہیں اسی طرح آزاد کافروں اور مشرکوں کی بیع بھی جائز نہیں، جس طرح مسلمانوں کے اعضار سے انتفاع جائز نہیں اسی طرح کافروں کے اعضا سے بھی جائز نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے،

۱ عن ابن عباسؓ ان المشرکین ارادوا ان یشتروا جسد رجل من المشرکین فابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیعہ ''(رواہ الترمذی بحوالہ اعلاء السنن ص۱۱۳ ج ۱۴، مطبع ادارۃ القرآن کراچی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے اپنے ایک آدمی کو خریدنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے سے انکار فرمایا۔

صاحب المغازی محمد بن اسحاق رح نے روایت نقل کی ہے:

ان المشرکین سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیعھم جسد نوفل بن عبد اللہ بن مغیرۃ وکان اقتحم الخندق فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاحاجۃ لنا بثمنہ ولاجسدہ ۔ فقال ابن ھشام بلغنا عن الزھری انھم بذلوا فیہ عشرۃ آلاف ۔	مشرکین نے غزوۂ خندق کے موقع پر نوفل بن عبد اللہ کے مردہ جسم کو خریدنا چاہا وہ خندق میں گر کر مر گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قیمت اور معاوضہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں نہ اس کے جسم کی حاجت ہے، ابن ہشام نے کہا کہ ہمیں زہری سے حدیث پہنچی ہے کہ مشرکین نے اس کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی پیش کش کی تھی ۔
(اعلاء السنن ص۱۱۳ ج۱۴)	

حدیثِ مذکور کی تشریح کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کافر کے جسم کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مردہ ہے ۔

انسان اور اعضاءِ انسان تمام کے تمام معزز اور غیر مستعمل ہیں فقہی جزئیات کی روشنی میں

صاحب بدائع ملک العلماء علامہ کاسانی رح لکھتے ہیں:

واما عظم الآدمی وشعرہٗ فلا یجوز بیعہ لا لنجاستہ لانہٗ طاھر فی الصحیح من	اور انسان کی ہڈی اور اس کے بال خرید و فروخت نہیں کئے جا سکتے صحیح روایت کے مطابق نجاست کی وجہ سے

الروايـة لكن احتوامالهُ و الابتذال بالبيع يشعر بالاهانة وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انّه قال لعن الله الواصلة والمستوصلة ۔
(الحديث صـ ۱۳۲ ج ۵)

نہیں بلکہ انسانی کرامت واحترام کی بنیاد پر اس کی خرید وفروخت کرامت انسانی کے خلاف ہے اور سبب اہانت ہے، جب کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "واصلہ" اور "مستوصلہ" دوسرے کے بال کو ملانے والی عورت اور ملانے کا کام کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔

مبسوط میں شمس الائمہ سرخسیؒ حنفی نے لکھا ہے،

بيع الحرّ لا يجوز لان الحرّ لا يدخل فى العقد لان دخول الشئ فى العقد بصفة المالية والتقوم وذلك لا يوجد فى الحرّ. (مبسوط صـ ۱۲ ج ۱۳)

آزاد آدمی عقد بیع میں داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ عقدِ بیع میں دخول کے لئے مال ہونے اور مال متقوم ہونے کی صفت ضروری ہے اور آزاد آدمی کے اندر یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں، یعنی اس کے اندر مالیت کی صفت نہیں ہے۔

البحر الرائق میں ہے،

ولبن امرأة اى لم يجز بيع لبن المرأة لانه جزء الادمى وهو بجميع اجزائه مكرم مصون عن الابتذال

عورت کا دودھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ جزء آدمی ہے اور آدمی تمام اجزاء کے ساتھ مکرم ہے اور خرید وفروخت کے ذریعے سے دوسروں کو

بالبیع (منٹ ج ۶) دینے سے محفوظ اور بالاتر ہے۔

صاحب البحر الرائق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

قولہٗ وشعر الانسان والانتفاع به ای لم یجز بیعه و الانتفاع به لان الآدمی مکرّم غیر مبتذل فلا یجوز ان یکون شیئ من اجزائه مهانًا مبتذلًا وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم لعن الله الواصلة والمستوصلة۔ (ص۸۱ ج ۶، الهدایة ص۱۹ ج ۳، عنایة شرح هدایة ص۴۲۳ ج ۶)

انسان کے بال کی خرید و فروخت اور اس سے انتفاع دونوں امر ناجائز ہیں کیونکہ آدمی مکرّم ہے اور خرچ ہونے اور استعمال کے لئے نہیں اس لئے اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ اس کی توہین کی جائے اور اس کا بے دریغ استعمال کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالوں کو ملانے والی اور ملانے کا کام کرنے والی دونوں پر لعنت ہے اللہ کی، یہی بات فتح القدیر ص۴۲۵ ج ۵، میں بھی ہے۔

انسانی اعضاء کے اندر مالیت مفقود ہے اس لئے ناقابل فروخت ہیں

حقیقت یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے اندر جب مالیت ہی نہیں تو اس کی خرید و فروخت کس طرح جائز ہو گی جب کہ خرید و فروخت کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو۔

بدائع میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن شرائط البیع ان

اور بیع کی شرائط میں یہ ہے کہ مبیع مال

يكون مالاً لان البيع مبادلة
المال بالمال فلا ينعقد بيع الحر
لانه ليس بمال وكذا بيع أم
الولد لانها حرة من وجه لما
روى عن النبى صلى الله عليه
وسلم انه قال اعتقها ولدها
روى عنه عليه الصلوٰة والسلام
انه قال فى ام الولد لاتباع و
لاتوهب وهى حرة من الثلث
نفى عليه الصلوٰة والسلام جواز
بيعها مطلقًا وسماها حرةً
فلا تكون مالاً على الاطلاق۔
(بدائع ص۱۴۰ ج ۵ کذا فی البحر الرائق ص۳ ج۶)

ہو کیونکہ بیع نام ہے مبادلۃ المال بالمال
کا (اسی وجہ سے آزاد آدمی کی بیع جائز
نہیں) اس لئے کہ وہ مال نہیں اسی
طرح ام ولد کا حکم ہے (لونڈی سے
ہونیوالے بچے کا اگر مولا دعویٰ کرتا ہے
تو اس کی ماں جو کہ لونڈی ہے بچہ پیدا
ہونے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے اس
کو شرع میں ام ولد کہا جاتا ہے) اس
کی بیع کو حرام کہا ہے کیونکہ ام ولد بچہ
جننے سے پہلے بھی جب کہ وہ حاملہ ہو من وجہ
آزاد ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اس کے بچہ نے اسے
آزاد کر دیا ہے اس کو نہ بیچا جائے گا اور
نہ ہبہ کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ آزاد
ہے، یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ام ولد کی بیع کو علی الاطلاق ناجائز
کہا ہے۔

اور فتح القدیر میں ہے "بان الآدمی مکرم وان کان کافرًا" (انسان مکرم
و معزز ہے اگرچہ کافر ہی ہو) "بحوالہ بحر الرائق ص۸۱ ج ۶"

جسم انسانی یا اعضاء انسانی کو صدقہ یا عطیہ دینے کی وصیت جائز نہیں

جس طرح انسانی جسم اور انسانی اعضاء کو بطور عطیہ دینا جائز نہیں اسی طرح اس کی وصیت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وصیت بھی مال کی ہوتی ہے

قاضی احمد بن رشد القرطبی الاندلسی بدایۃ المجتہد میں ہبہ کے ارکان و شرائط کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں؛

اما الواھب فانھم اتفقوا	واہب یعنی عطیہ دینے والے کے لئے
علیٰ ان تجوز ھبتہ اذا کان مالکًا	جمہور ائمہ کے نزدیک متفقہ شرط یہ ہے
صحیح الملک (بدایۃ المجتہد ص۳۲۵ ج۲)	کہ واہب شئ موہوب کا واقعی مالک ہو۔

اور چونکہ کوئی شخص اپنے جسم اور اعضاء کا مالک نہیں ہے جس کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں اس لئے اپنے جسم یا اعضاء میں سے کسی عضو کا عطیہ اور ہبہ نہیں کر سکتا۔ نہ اس کی وصیت کر سکتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب البدائع الصنائع میں علامہ کاسانی ہبہ کے شرائط وارکان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

منھا ان یکون مالا متقومًا	ہبہ اور عطیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ شئ
فلا تجوز ھبۃ ما لیس بمال	موہوب (جس کا عطیہ کیا جارہا ہو)
اصلًا کالحر والمیتۃ والدم	مال متقوم (قیمت والا مال ہو) جو شئ
وصید الحرم والاحرام و	مال متقوم اور مملوک نہیں اس کا ہبہ نہیں
الخنزیر وغیر ذلک علیٰ ما	ہو سکتا ہے جیسا کہ آزاد آدمی، مردار،
ذکرنا فی البیوع (بدائع ص۱۱۹ ج۶)	خون، حرم اور احرام والے کا شکار کیا ہوا

جانور اور خنزیر وغیرہ ۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ واضح ہوا کہ انسانی اعضاء کا ہبہ اور عطیہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مال نہیں، اور نہ کسی کی ملک ہیں ۔ ہبہ کرنا اس کے احترام واکرام کے منافی ہے ۔ انسانی اعضاء کا جس طرح ہبہ نہیں ہوسکتا اس کی وصیت بھی نہیں ہوسکتی ۔ اس بارے میں نصوص اور روایات فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے ؛

معلوم ہونا چاہیئے کہ اصطلاح شریعت میں وصیت کی تعریف یہ ہے ؛

تملیک مضاف الی ما بعد الموت علیٰ سبیل التبرع عینا کان او منفعۃً ھذا ھو التعریف المذکور فی عامۃ الکتب وذکر فی الایضاح ان الوصیۃ ھی ما اوجبہ الانسان فی مالہ بعد موتہ او فی مرض موتہ والوصیۃ بھٰذا المعنیٰ ھی المحکوم علیہا بانّہا مستحبۃ غیر واجبۃ وان القیاس یأبیٰ جوازہا ۔	وصیت کا مطلب یہ ہے کہ از روئے تبرع کسی چیز یا اس کی منفعت کو کسی کی ملک میں موت کے بعد معلق کرکے دے دینا یہ تعریف تو عام کتابوں میں ہے، اور ایضاح میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ انسان حالت صحت یا حالتِ مرض میں اپنے مال میں جو کچھ اپنے اوپر واجب کرتا ہے (کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں مال فلاں شخص کو دے دیا جائے عطیہ کے طور پر) وصیت کہلاتی ہے اور یہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں، اور یہ خلافِ قیاس اور خلافِ عقل ہے ۔
(وکذا فی رد المحتار ص۴۵۹ ج ۶، البحر الرائق ص۴۰۳ ج ۸)	

وصیت کی مذکورہ بالا تعریف سے چند باتیں معلوم ہوئیں ۔

۱۔ وصیت تملیک اموال کی ہوتی ہے ۔
۲ ۔ جو چیز مال نہیں اس کی وصیت کسی کے لئے درست نہیں ۔
۳ ۔ تملیک کے لئے ضروری ہے کہ خود مالک ہو ورنہ وصیت درست نہیں ۔
۴ ۔ عطیہ کی وصیت انسان پر شرعاً واجب نہیں انسان خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے ۔
۵ ۔ وصیت کرنا واجب نہیں مستحب ہے ۔
۶ ۔ وصیت کا معاملہ عقل و قیاس کے خلاف ہے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت جب ختم ہو گئی تو وفات کے بعد کے تصرفات ناجائز ہو جانے چاہئیں لیکن شریعت نے مرنے والے پر احسان کر کے مرنے کے بعد تہائی مال میں تصرف کو بھی جائز کہا ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے ۔

صاحب البحر الرائق ابن نجیمؒ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ وصیت کوئی قیاسی چیز نہیں جس پر دوسرے مسائل کو قیاس کیا جا سکے بلکہ وصیت کا مسئلہ خلاف قیاس ہے چنانچہ لکھتے ہیں ؛

والقیاس یأبیٰ جوازھا لانھا تملیك مضاف الیٰ حال زوال الملك ولو اضافه الیٰ حال قیامه بان قال ملکتك غداً ، کان باطلاً فھذا اولیٰ الا ان الشارع اجازہ لحاجة الناس الیھا ۔ (البحر الرائق ص ۴۰۴ ج ۸)	وصیت کا جواز قیاس کے خلاف ہے قیاس اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وصیت میں مال کی تملیک بعد الموت منسوب ہوتی ہے جب کہ مرنے کے بعد انسان کی ملکیت ہی ختم ہو جاتی ہے مگر شارع نے انسان کی ضرورت حاجت کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے ۔

درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان موت سے قبل اپنے غرور وتکبر میں ہوتا ہے اور اعمال میں کمزور ہوتا ہے جب عارضۂ موت اور ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو کم از کم اپنے مال کے ذریعے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہے تو اس کی حکمت و مصلحت کو دیکھتے ہوئے شریعت نے مرنے کے بعد عطیہ دینے کی اجازت دی ہے قرآن کریم میں جہاں تقسیم میراث اور ادائے قرض اور وصیت کو پورا کرنے کا ذکر ہے وہاں پر مال کی تنفیذ مراد ہے اسی وجہ سے تمام کتب فقہ میں فرائض کی بحث میں لکھتے ہیں کہ میت کی متروکہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سے چار حقوق متعلق ہوتے ہیں۔

۱۔ تجہیز و تکفین۔
۲۔ ادائے قرض۔
۳۔ تنفیذ وصیت۔
۴۔ تقسیم وراثت از روئے قانون شریعت۔

وصیت مال کی ہوتی ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے:

قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ قد تصدق علیکم بثلث اموالکم عند وفاتکم، زیادۃ فی حسناتکم لیجعلھا لکم، زیادۃ فی اعمالکم وعلیہ اجماع الامۃ (البحر الرائق ص۴۶۰ ج ۸)	اللہ تعالیٰ نے تمہاری وفات کے بعد تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے یہ تمہارے لئے صدقہ ہے تاکہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو جائے اور تمہارے اعمال میں زیادتی آجائے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب المبسوط میں ہے:

ان الوصیۃ مشروعۃ لنا	وصیت ہمارے فائدے کے لئے مشروع

لا علینا قال علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ ان اللہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم زیادۃ فی اعمالکم (مبسوط سرخسی صـ۱۴۲ـ ج ۲۷)

ہے یہ ہمارے امر پر لازم اور واجب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں وصیت کرنے کی اجازت دے کر تمہارے اوپر ایک تہائی مال کا صدقہ کیا ہے تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو جائے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے؛

۱۔ وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

۲۔ وصیت کی اجازت خلاف قیاس من جانب شارع تصدق ہے۔

۳۔ وصیت مال کی ہوتی ہے اور چونکہ جسم واعضاء مال کی تعریف میں داخل نہیں اس لئے اس کی وصیت درست نہیں۔ مال کی وصیت پر جسم واعضاء کی وصیت کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جو نص خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے اس پر دوسرے مسائل کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہاں پر مقیس اور مقیس علیہ میں مغائرت ہے اتحاد نہیں ہے اس لئے جسم و اعضاء کے عطیہ دینے کی وصیت ناجائز ہے لہٰذا انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کو عطیہ اور ہبہ کر کے کوئی نیکی نہیں کما سکتا۔ چنانچہ کتب فقہ وفتاویٰ میں بصراحت موجود ہے؛

ومن شرائط الوصیۃ ان یکون الرجل مالکاً وکون الشیٔ قابلاً للتملیک۔ (البحر الرائق صـ۴۰۳ ج۸، رد المحتار صـ۶۵۹ ج۶)

وصیت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موصی شیٔ کا مالک ہو اور جس چیز کی وصیت کی جا رہی ہو وہ قابل تملیک بھی ہو۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان نہ مال ہے اور نہ ہی قابل تملیک ہے اس لئے انسانی اعضاء کے عطیہ دینے کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں۔

صاحب مبسوط شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں :

ثم التبرع بعد الوفاة معتبرة بالتبرع فی حالة الحیاة و ذلک احسان مندوب الیہ وکذلک التبرع بالوصیة بعد الموت (مبسوط ص ۱۴۲ ج ۲۷)	پھر مرنے کے بعد کسی چیز سے تبرع اور نیکی کرنے کی شرعی حیثیت اس پر موقوف ہے کہ زندگی میں انسان اس چیز سے تبرع اور نیکی کر سکتا ہے یا نہیں یہی حکم مرنے کے بعد وصیت کر کے تبرع کرنے کا ہے اور یہ ایک امر مستحسن ہے اسی طرح مرنے کے بعد وصیت کر کے نیکی حاصل کرنا بھی امر مستحسن ہوگا۔

یعنی زندگی میں جن اشیاء کی تملیک کر کے یا دوسرے کو ہبہ دے کر انسان نیکی کر سکتا ہے مرنے کے بعد بھی انہی اشیاء کی تملیک یا ہبہ کر سکتا ہے اور زندگی میں جن چیزوں کا ہبہ یا عطیہ دے کر نیکی نہیں کما سکتا مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد ان چیزوں کا ہبہ یا عطیہ دے کر نیکی نہیں کما سکتا اور نہ ہی مرنے کے بعد ان چیزوں کو ہبہ یا عطیہ میں دینے کی وصیت کر سکتا ہے لہذا اعضاء انسان کے عطیہ وہبہ کرنے کی وصیت ناجائز ہے خصوصاً جب کہ اس طرح وصیت کرنے میں اور اس کی تنفیذ میں بے شمار محرمات اور ناجائز امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صاحب البحر الرائق ابن نجیم نے البحر الرائق ص ۴۰۲ ج ۸ میں تحریر کیا ہے کہ مال کی وصیت بھی اس وقت مستحب ہے جب کہ اس سے ارتکاب

حرام لازم نہ آتا ہو ورنہ وصیت جائز نہ ہوگی، نہ ہی ورثاء پر اس کی تنفیذ لازم ہے لہٰذا جو لوگ اعضاء انسانی کے بارے میں عطیہ و ہبہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں از روئے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی "ان کی وصیت باطل ہے، اور کالعدم وغیر شرعی ہے۔ ایسی وصیت کی تنفیذ ورثاء پر نہ صرف یہ کہ لازم نہیں بلکہ وصیت پر عمل کرنے سے ورثاء اور ذمہ دار افراد گناہ گار ہوں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اعضاء انسان بطور عطیہ دوسرے کو دینے کے جواز میں ایک محقق صاحب نے بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کی ہے جس میں بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے یہ وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اسے جلا دیا جائے اور راکھ سمندر میں بہا دیا جائے اور اس نے یہ وصیت خدا کے خوف سے کی تھی اور عذاب سے ڈر کر کی تھی، اس کا گمان یہ تھا کہ اس طرح جلانے اور راکھ کو سمندر میں اڑا دینے سے عذاب سے شاید بچ جاؤں گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا اور باقاعدہ پورا انسان بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا، باری تعالیٰ نے اس سے دریافت کیا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے اقرار کیا خدایا میں نے تیرے عذاب کے خوف سے اس طرح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا جواب پسند آیا اور معاف کر دیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد محقق صاحب لکھتے ہیں،

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم و اعضا کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے۔ البتہ جلانے کی وصیت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اسلامی طریقۂ دفن کے خلاف ہے"

محترم محقق صاحب نے اس بات کا خیال نہیں رکھا کہ امام بخاریؒ نے اس

حدیث کو "کتاب الرقاق" کے تحت "باب الخوف" میں ذکر کیا ہے اور "باب الوصیۃ" میں ذکر نہیں کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کو خوف خدا کی مثال دیتے ہوئے بیان فرمایا۔ وصیت کا جواز بیان کرنے کے لئے نہیں، پھر اسلام سے قبل بنی اسرائیل کے زمانہ کا ایک واقعہ کو اسلام میں انسانی اعضاء کی وصیت کے جواز میں پیش کرنا کیونکر درست ہے جب کہ اسلام صرف مال سے عطیہ، صدقہ وغیرہ کی وصیت کو جائز قرار دیتا ہے۔ وہ بھی تہائی حصہ میں جیسا کہ قرآن و حدیث اور فقہی حوالوں سے معلوم ہوا۔ کیا اسلام کے خلاف ماقبل اسلام کی کسی شریعت یا کسی فرد کے عمل سے استدلال جائز ہے؟ یا کسی شریعت سے انسانی اعضاء کی خرید و فروخت اور اس کے ہبہ و عطیہ کا جواز ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے اور اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی تو کس طرح اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، جب کہ کسی شریعت میں اس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔

نیز محقق صاحب نے لکھا ہے:

"کہ حدیث میں آپ نے جسمِ انسانی کے بارے میں وصیت کے واقعہ کو ذکر فرمایا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کے ناجائز ہونے کے متعلق کچھ نہیں فرمایا جس سے وصیت کا جواز معلوم ہوتا ہے"

افسوس کی بات ہے کہ جناب محقق صاحب نے اس پر غور نہیں کیا جس طرح آپ نے وصیت کرنے سے منع نہیں فرمایا اسی طرح آپ نے اس حدیث میں یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ انسان کو جلانا ناجائز نہیں دفن کرنا ضروری ہے اب تو محقق صاحب کے نزدیک انسانی لاش کو جلانے کی وصیت بھی جائز ہونی چاہیئے، لیکن محقق صاحب وہاں پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے چونکہ دفن کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے لاش کو جلانے کی وصیت درست نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث

سے تو بقول محقق صاحب صرف لاش جلانے کی وصیت کا جواز معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، حدیث سے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ہے نہ ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اعضاء انسان کی پیوندکاری کے لئے اعضاء کو عطیۃً دینے کی وصیت کر سکتا ہے، حدیث سے جتنی بات معلوم ہو رہی ہے اتنی بات کی تو محقق صاحب نے خود ہی نفی کر دی کہ دوسری نصوص کی روشنی میں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ لاش کو جلایا جاوے باقی جو باتیں مثلاً اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے لئے عطیہ کی وصیت وغیرہ حدیث سے مفہوم ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نفی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، آپ تو فضول گفتگو کرنے والے نہ تھے بلکہ آپ جامع الکلام والکلم تھے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیا اس حدیث سے آج تک امت میں سے کسی مجتہد نے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث سے انسان کا اپنے جسم و اعضاء کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے جو چاہے وصیت کر سکتا ہے ہمارے علم کے مطابق محقق صاحب ہی پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ہے اور جس طرح دوسری املاک کی وصیت کر سکتا ہے اسی طرح جسم و اعضاء کی بھی وصیت کر سکتا ہے۔ جب کہ جمہور امت و فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اپنے جسم و اعضاء کی تملیک کرے یا اس کو ہبہ و عطیہ کرنے کی وصیت کرے کیونکہ اس سے قبل ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مال سے تبرع کرنے کی وصیت جائز ہے انسانی اعضاء مال نہیں اس لئے اس کو ہبۃً دینے کی وصیت باطل ہے۔

اب حدیث مذکور کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق سنیئے۔

اما ما اوصی بہ فلعلہ کان جائزاً فی شرعھم فان ذلک تصحیح التوبۃ فقد ثبت فی شرع بنی اسرائیل قتلھم انفسھم لصحۃ التوبۃ "۔ (فتح الباری ص۳۱۵ ج۱۱)

بنی اسرائیل کے آدمی نے جو اپنے جسم کو جلانے کی اور پھر اس کی راکھ کو سمندر میں اڑانے کی وصیت کی تھی بہت ممکن ہے کہ ان کے مذہب میں اس طرح از روئے توبہ لاش جلانے کی اجازت ہو جب کہ ان کی شریعت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کے مذہب میں بعض گناہوں کی توبہ قتل نفس پر موقوف تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ بنی اسرائیل کو گائے پرستی اور گناہ کی توبہ میں قتل نفس کا حکم دیا گیا تھا۔

حدیث شریف کی اس شرح میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ دین یہود میں انسان کے لئے اپنے جسم کو ہلاک کرکے یا ضائع کرکے توبہ کی اجازت تھی، اسلام میں قتل نفس سے توبہ ہی مشروع نہیں، اسی وجہ سے ابن حجرؒ نے حدیث میں احتمال جواز وصیت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے ان کے مذہب میں جسم کو جلانا جائز ہو جب کہ ہمارے مذہب اسلام میں جائز نہیں جو چیز قبل از اسلام کسی مذہب میں جائز ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسلام میں بھی جائز رہے بلکہ اسلام نے لاشوں کو دفنانے کا حکم دیا ہے اور تمام اعضاء کا بھی یہ حکم ہے، اور دفنانا فطرتِ انسانیت کے مطابق ہے۔

غرض انسانی جسم و اعضاء کو عطیہ دینے کی وصیت اس حدیث سے مطلقاً ثابت نہیں ہوتی یہ تو خواہ مخواہ کا اجتہاد ہے اس کے لئے نہ کوئی اصل بنیاد ہے

اور نہ کوئی علت مشترکہ۔ نیز یہ اجتہاد چونکہ قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف ہے اس لئے یہ اجتہاد باطل ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

اعضائے انسان میں ملکیت ثابت کرنے کے لئے بعض حضرات دیت و تاوان کی نصوص اور بعض فقہی جزئیات کو پیش کرتے ہیں، ایک محقق کی تحریر پڑھ کر ہمیں بہت ہی افسوس ہوا، محقق صاحب کی تحریر ملاحظہ ہو:

"افسوس کہ قرآن و حدیث میں دیت کے متعلق جو نصوص ہیں وہ بھی واضح الدلالۃ ہیں کہ آدمی اپنے جسم اور اس کے اعضاء کا خود مالک ہے۔ (اجالا شریعت نمبر ۱۹۷۹ء)

ایسی تحقیق جو قرآن و حدیث کے خلاف اور شریعت اور اصول شرع کے خلاف ہے بالکل قابل اعتنا نہیں۔ محقق صاحب نے کوئی ایک حوالہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ہے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں ملکیت کی کوئی بحث نہیں۔ ہم نے اس کے برعکس یہ ثابت کیا ہے کہ انسان اور انسانی اعضاء اس کی ملکیت نہیں باقی رہا قتل خطا میں دیت اور تاوان کا واجب ہونا اور جان کی ہلاکت کے علاوہ دوسری جنایت میں ارش کا لازم ہونا اس وجہ سے نہیں کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ہے اور نہ ہی دیت و ارش انسان کی قیمت یا ثمن ہے بلکہ یہ دیت انسان اور انسانی اعضاء کو نقصان پہنچانے کا تاوان اور ضمان ہے اگر دیت انسان اور اعضاء انسان کی قیمت یا ثمن ہوتی تو شریعت کی طرف سے اس کا تعین نہ ہوتا نیز جیسے دوسرے اموال کی قیمت اور ثمن انسان خود متعین کرتا ہے اس کی قیمت بھی انسان خود

مقرر کر سکتا تھا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں کہ دیت کی مقدار اور مد میں تبدیلی کی جا سکے ۔

۲ ۔ اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو تمام آزاد لوگوں کی ایک ہی دیت نہ ہوتی بلکہ فرق مراتب کے اعتبار سے قیمت کا تعین ہوتا ۔

۳ ۔ آزاد اور غلام کا فرق نہ ہوتا بحیثیت انسان سب کی قیمت قابلیت، عمر زیادتِ اوصاف کی بنار پر ہوتی ۔

۴ ۔ دیت کبھی خود قاتل ادا کرتا ہے کبھی یہی دیت عاقلہ یعنی کنبہ و خاندان، کبھی اہل دیوان، کبھی کمپنی ادا کرتی ہے کیا انسان کی املاک کی قیمت کنبہ، اہل محلہ، برادری پر واجب ہے ؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر دیت کو انسان یا اعضار انسان کی قیمت کہنا کس طرح صحیح ہے ۔

۵ ۔ دیت وراثت میں تقسیم ہوتی ہے کیونکہ "ضمان" املاک میں شامل ہو جاتا ہے کیا مردہ انسان کو بھی بحیثیت املاک وراثت میں تقسیم کیا جائے گا ؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دیت اور انسان میں فرق ماننا ضروری ہو گا انسان املاک میں شامل نہیں، جب کہ دیت املاک میں شامل ہو جاتی ہے ۔

۶ ۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں اس لئے اسے کسی قیمت پر زندگی میں فروخت نہیں کر سکتا کسی عضو کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی قیمت اپنی طرف سے متعین کر سکتا ہے لہٰذا دیت انسان یا انسانی اعضار کی قیمت یا ثمن نہیں بلکہ انسانی جنایات کی ضمان و تاوان ہے ۔

صاحب بدائع الصنائع دیت کی وجوہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں،

واما المعقول فمن وجهين	کہ انسان کے اندر اصل انسانیت اور
احدهما ان الادمية فيه اصل	اور آدمیت ہے مالیت نہیں اور اساس

والمالية عارض وتبع والعارض
لايعارض الاصل والتبع لايعارض
المتبوع ودليل اصالة الادمية
من وجوه احدها انه حينما
خلق خلقه ادمياً ثم ثبت فيه
وصف المالية بعارض الرق والثاني ان
قيام المالية فيه بالادمية وجوداً وبقاءً لا
على القلب والثالث ان المال خلق وقاية
للنفس والنفس ما خلقت وقاية
للمال فكانت الآدمية فيه اصلا
وجوداً وبقاءً وعرضاً والرابع
ان حرمة الادمي فوق حرمة
المال لان حرمة المال لغيره
وحرمة الادمي لعينه ۔

(بدائع الصنائع ص ۲۵۸)

میں مالیت صرف رقیت اور غلامیت کی
کی بنا پر آتی ہے انسان میں عدم مالیت
اصل ہے اور مالیت بعارض رقیت
آتی ہے تو آزاد آدمی میں صرف آدمیت
ہے۔ غلام کے اندر غلامیت کی وجہ سے
مالیت بھی ہے نیز یہ کہ مال کو نفس کی
حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نفس
کو مال اور مالیت کی حفاظت کے لئے
نہیں پیدا کیا گیا تیسرا یہ کہ انسان کی
حرمت مال کی حرمت سے زیادہ ہے اس
لئے ضمان اس میں لازم ہے اور کفارہ
بھی ہے بخلاف مال کے۔

ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں دیت ضمان کا نام ہے، انسان کی قیمت
یا ثمن نہیں عبارت ملاحظہ ہو۔

فالاظهر في تفسير الدية
ماذكره صاحب العناية اخرًا
فانه بعد ان ذكر مثل ماذكر
في المغرب وعامة الشروح

صاحب عنایہ نے دیت کے بارے میں
جو کچھ آخر میں ذکر کیا ہے اور اس طرح
جو کچھ مغرب اور عام شروح میں مذکور
ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ دیت انسان

قال و الدیۃ اسم لضمان یجب بمقابلۃ الآدمی او طرف منہ (فتح القدیر ص۳۰۱ ج ۸)	یا اطراف انسان کے مقابلہ میں ضمان ہے (انسان یا انسانی اعضاء کی قیمت نہیں)

اس لئے دیت و قصاص کی نصوص اور فقہی جزئیات سے یہ ثابت کرنا کہ انسان اپنے نفس کا مالک و متصرف ہے غلط ہے۔

تیسرا شبہ اور اس کا ازالہ

جناب محقق مذکور نے انسان کے اپنے جسم و جان میں مال کی طرح ملکیت ثابت کر کے پھر اس سے اعضاء انسان کی پیوند کاری کے جواز ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیت "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ حالانکہ یہ استدلال چند وجوہ سے باطل و فاسد ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ موصوف نے اپنے اس استدلال کے لئے کسی حدیث یا تفسیر کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی ہمارے علم کے مطابق آج تک کسی مفسر نے اس آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان اپنے جسم کا اس طرح مالک ہے جس طرح مال کا مالک ہوتا ہے۔ جسم میں اسی طرح مالکانہ تصرف کر سکتا ہے جس طرح مال میں تصرف کر سکتا ہے اور یہ ایک جدید تفسیر ہے جس کو موصوف نے اپنے مخصوص نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایجاد فرمایا ہے جس کا موصوف کو قطعاً کوئی حق نہیں۔

آیت کی پوری تشریح اور اس پر تفصیلی بحث تو اس مختصر سے مقالہ میں ممکن نہیں۔ تاہم اختصار کے ساتھ اس سے متعلق چند معروضات پیش کر دیتے

ہیں. جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ اس آیت سے اعضار کی پیوندکاری کا جواز ثابت کرنا سراسر تفسیر بالرائے ہے اور یہ استدلال بالکل باطل ہے۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تمام مفسرین متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ آیت میں "اشتریٰ" سے مراد اصطلاحی بیع وشرار نہیں جس سے انسان کے جسم ومال کی ملکیت ثابت ہو بلکہ یہاں پر از روئے مجاز شرار کہا گیا ہے کیونکہ بیع وشرار میں ایک بائع ہوتا ہے، دوسرا مشتری اور مشتری وہی ہوتا ہے کہ جو شرار سے قبل شئ مبیع کا مالک نہیں ہوتا اور وہ اس کی طرف محتاج ہوتا ہے، اور بذریعہ شرار وفروخت شدہ چیز کا مالک بننا چاہتا ہے۔ آیت مذکورہ میں ایسا نہیں۔ اللہ تعالےٰ انسان کے جسم وجان اور مال کا نہ محتاج ہے اور نہ ہی اس کو مالک بننے کی ضرورت ہے۔ وہ تو پہلے ہی سے سب چیزوں کا مالک حقیقی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر صہ ۱۹۹ ج ۱۵ ، روح المعانی صہ ۲۶ ج ۱۱ احکام القرآن للجصاص صہ ۱۵۸ ج ۳ ۔

ثانیاً تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر کسی شخص کی مملوکہ چیز دوسرے شخص کے پاس بطور امانت موجود ہو تو امین کو اس بات کا حق نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور شخص کو امانت کی چیز فروخت کردے نہ اس کو یہ حق ہے کہ وہ صاحبِ مال سے اس مال کو فروخت کر کے معاوضہ وصول کرے، یا امانت والی چیز کا ہبہ یا عطیہ کرے، یا کسی کے لئے اس کی وصیت کرے لہٰذا آیتِ مذکورہ میں اگر شرار سے مراد شرار حقیقی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مؤمن انسان کی جان ومال کا مالک ہوگیا۔ اور یہ چیزیں انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ظاہر ہے کسی مؤمن کے لئے اس بات کی اجازت نہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنی جان ومال میں کسی قسم کا مالکانہ تصرف کرے نہ کسی کو بیچے نہ ہی ہبہ

یا عطیہ کرے ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے خود اس کو تصرف کی اجازت دی ہو جیسا کہ اموال میں باری تعالیٰ نے انسان کو مالکانہ تصرف کرنے کی اجازت دی ہے لیکن انسان کے جسم و جان میں اس کا اختیار نہیں دیا کہ کسی کو فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ یا عطیہ کے طور پر دے دے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں جب انسان کی جان و مال کے بدلے میں جنت دینے کو شراء سے تعبیر کیا گیا ہے تو لازماً شراء کے لئے جس طرح مقام اور محل شراء کا ہونا ضروری ہے اسی طرح یہاں پر بھی محل اور مقام شراء ضروری ہوا تاکہ عوضین کی تسلیم و تسلّم ہو سکے۔ آیتِ مذکورہ میں "یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون" کا فقرہ محل شراء کا بیان واقع ہوا ہے یعنی جب انسان جہاد اور میدان جہاد میں جان و مال خرچ کر دیں گے تب انہیں جنت ملے گی اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرے گا اس وقت تک انسانی جان و جسم اور مال کی تسلیم الی اللہ نہ ہوگی یعنی مبیع کی تسلیم نہ ہوگی تو اس کا بدل جنت کس طرح ملے گی پھر قبل تسلیم اس میں ایسا تصرف جس میں مبیع کے نقصان اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو کیونکر درست ہوگا (دیکھئے تفسیر روح المعانی ص۲ ج۱۱)

اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہاں اَمْوَالَھُمْ کا عطف اَنْفُسَھُمْ پر ہو رہا ہے اور عطف میں معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے مغائر ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طرف نفس اور مال کی نسبت ایک جیسی نہیں ہے اموال میں انسان کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، اسی وجہ سے مال میں سے خود کھا سکتا ہے اسے فروخت کر سکتا ہے اس کا ہبہ کرنا اور عطیہ و خیرات کرنا جائز ہے۔ اس میں وصیت اور وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں بخلاف نفس کے کہ نفس

انسانی کا مسئلہ مال کے مسئلہ سے جدا ہے انسان اپنے جسم وجان کا مالک نہیں ہے اس لئے اس میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا نہ اپنے اعضاء میں سے خود خود کھا سکتا ہے نہ ہی مال کی طرح کسی حصہ کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہبہ یا عطیہ کر سکتا غرض جسم وجان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا پھر بھی اگر اس میں مالکانہ تصرف کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی طرف سے زیادتی اور ظلم ہے بلکہ حقوق اللہ میں زبردست خیانت ہے۔

آیۃ: "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ" کے تحت، امام فخر الدین رازیؒ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں اس کو ملاحظہ فرمائیے،

قال الصادق والمصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام لیس لابدانکم ثمن الا الجنۃ فلا تبیعوھا الا بہا۔ (تفسیر کبیر ص۱۹۹ ج۶)

یعنی نبی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے علاوہ تمہارے ابدان کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس کو جنت کے سوا کسی چیز کے بدلہ میں مت فروخت کرو۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مذکورہ میں درج ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ انسانی جسم کی کوئی قیمت وثمن دنیا میں نہیں ہے۔ بخلاف مال کے کہ اس کی قیمت اور ثمن ہوتا ہے۔

۲۔ جب جسم انسانی کی کوئی قیمت وثمن دنیا میں نہیں ہے تو وہ قابل معاوضہ بھی نہیں ہے، بخلاف مال کے کہ وہ قابل معاوضہ ہے، لہٰذا انسانی جسم کو مال پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ جو شئی قابلِ معاوضہ نہیں اسے فروخت کرنا جائز نہیں لہٰذا جسمِ انسانی

کا فروخت کرنا جائز نہیں جب کہ مال کا فروخت کرنا جائز ہے ۔

۴ ۔ جسم انسانی قابلِ انتقال و قابلِ تملیک نہیں ۔ جو شئی قابلِ تملیک نہیں ہوتی اس میں وصیت اور وراثت جائز نہیں ہوتی اسی وجہ سے انسان کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے جسم کے بارے میں وصیت کرے کہ فلاں کو دے دینا ۔ اسی طرح اعضاء کے بارے میں وصیت نہیں کرسکتا کہ فلاں عضو فلاں کو اور فلاں عضو فلاں کو دے دینا ۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سب میں وراثت جاری ہوتی ہے ، ورثاء بعد میں تقسیم کر لیتے ہیں ۔ لیکن میت کے جسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی ، اس کو فروخت کر کے یا بغیر فروخت کئے تقسیم کرنا جائز نہیں خواہ ورثاء بھوکے پیاسے مر رہے ہوں ۔

قارئین کرام فکر و تدبر سے کام لیتے ہوئے سوچیں کہ جناب محترم محقق صاحب کی تحقیق کہ " انسان اپنے جسم کے مالک ہیں جس طرح مال کے مالک ہیں " صحیح ہے یا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو کہ سوائے جنت کے انسان کے جسم کی کوئی قیمت نہیں وہ غیر متقوم اور ناقابلِ تملیک ہے ،، صحیح ہے ۔

چوتھا شبہ اور اس کا ازالہ

بعض اہل علم کو یہ شبہ ہوا ہے کہ اعضاء انسانی مال کے قائم مقام ہیں جس طرح مال کے اندر بدل اور خرچ ہو سکتا ہے اسی طرح اعضاء انسانی میں بھی بدل اور خرچ ہو سکتا ہے یعنی جس طرح انسان مال میں تصرف کر سکتا ہے اعضاء میں بھی تصرف کر سکتا ہے اور اس شبہ و خیال کے اثبات میں وہ ہدایہ کی درج ذیل عبارت کو پیش کرتے ہیں ۔

ان الاطراف يسلك بها مسلك الاموال فيجري فيها البذل بخلاف الا نفس۔
(ص۳۰۵ ج ۳)

یعنی اعضاء انسان کو اموال کی جگہ رکھا جاتا ہے پس اس میں بذل ہو سکتا ہے بخلاف نفس کے کہ اس میں بذل نہیں ہو سکتا۔

اس شبہ کا جواب دینے سے قبل ہدایہ کی عبارت کی ابتداء و انتہا اور اس کا منشاء و مقصد اور اس کی مختصر تشریح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے:

قال ومن ادعىٰ قصاصا علىٰ غيره فجحده استحلف بالاجماع ثم ان نكل عن اليمين فيما دون النفس يلزمه القصاص وان نكل في النفس حبس حتىٰ يحلف او يقر هٰذا عند ابي حنيفة رح وقال لزمه الارش فيهما لان النكول اقرار فيه شبهة عندهما فلا يثبت به القصاص ويجب به المال خصوصا اذا كان امتناع القصاص لمعنى من جهة من عليه القصاص كما اذا اقر بالخطاء والولي يدعي العمد ولابي حنيفة رح

اگر کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا پھر مدعیٰ علیہ نے اس کا انکار کیا ہے تو بالاتفاق مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے پھر اگر مدعیٰ علیہ نے دعویٰ نفس سے کم میں قسم سے انکار کیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا، اور اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کیا تو مدعیٰ علیہ کو قید خانہ میں ڈالا جاوے یہاں تک کہ وہ قسم کھا دے یا اقرار کرے یہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ہے اور صاحبین رح نے کہا کہ نفس سے کم میں اور نفس میں ہر دونوں صورتوں میں اس پر ضمان دیت لازم ہے اس واسطے کہ قسم سے انکار کرنا ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے تو انکار قسم

ان الاطراف يسلك بها مسلك
الاموال فيجري فيها البذل
بخلاف الانفس فانه لو قال
اقطع يدي فقطعه لا يجب
الضمان وهذا اعمال للبذل
الا انه لا يباح لعدم الفائدة
وهذا البذل مفيد لاندفاع
الخصومة به فصار كقطع
اليد للاكلة وقلع السن
للوجع - (ص ٢٠٢ ج ٢)

سے قصاص ثابت نہ ہوگا بلکہ مال واجب
ہوگا، خصوصاً جب کہ قصاص کا ممتنع
ہونا ایسے معنی سے ہو جو اس شخص کی
طرف سے پایا جائے جس پر قصاص لازم ہے،
جیسے قاتل نے قتل خطا کا اقرار کیا اور ولی
قتل عمد کا مدعی ہے (تو دیت واجب ہے)
امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اطراف
میں مال کے معاملہ کا برتاؤ ہوتا ہے پس
اطراف میں بذل جاری ہوگا برخلاف
نفس کے (اس میں بذل نہیں ہوتا)
چنانچہ اگر اس نے دوسرے سے کہا کہ
میرا ہاتھ کاٹ دے پس اس نے کاٹ
ڈالا تو ہاتھ کا تاوان واجب نہ ہوگا،
اور یہ بذل کا اثر ہے لیکن یہ حلال اس
واسطے نہیں ہے کہ اس میں کچھ فائدہ
نہیں ہے، اور یہاں پر قسم سے انکار
کی وجہ سے جو بذل ہے وہ اس واسطے
مفید ہے کہ اس بذل سے باہمی خصومت
دفع ہوتی ہے تو ایسا ہوگیا جیسے زخم
آکلہ کی وجہ سے جراح نے ہاتھ کاٹ
دیا اور درد کی وجہ سے دانت اکھاڑ دیا۔

عبارتِ مذکورہ میں درج ذیل مسائل بیان کئے گئے ہیں،

الف، اگر کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اور مدعی اور ورثا کے پاس کوئی شرعی گواہ نہیں اور مدعیٰ علیہ قصاص سے انکار کرتا ہے تو مدعیٰ علیہ پر عام قانون کے مطابق حلف (قسم) آئے گا اور اگر مدعیٰ علیہ نے حلف اٹھا لیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

ب، اگر مدعیٰ علیہ نے حلف اٹھانے سے انکار کیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ دعویٰ اگر اعضاء کے قصاص کا تھا تو حلف سے انکار کرنے کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصاص آئے گا۔ اور اگر دعویٰ جان کے قصاص کا تھا تو قسم سے انکار کے بعد مدعیٰ علیہ کو حبس اور قید میں رکھا جائے گا تاکہ انکار پر حلف اٹھائے یا اقرار کرے۔

صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نفس کے قصاص کا دعویٰ ہو یا اعضاء کے قصاص کا ہو اگر مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کرتا ہے تو اس انکار کی وجہ سے تاوان (ضمان) آئے گا۔ کیونکہ قسم کا انکار کرنا بمنزلہ اقرار کے ہے البتہ اس میں ایک طرح کا شبہ ہے اور شبہات سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قصاص نہیں آئے گا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ اپنے زعم میں کسی قسم کے قصاص آنے سے انکار کرتا ہے پھر حلف اٹھانے سے بھی انکار کرتا ہے تو مدعیٰ علیہ کا حلف سے انکار کرنا یہ بذل ہے اور بذل کی تعریف یہ ہے، ھو عبارۃ عن قطع المنازعۃ و الاعراض عنھا لا الھبۃ والتملیک "یعنی بذل قسم سے اعراض کرنا ہے اور جھگڑے کو ختم کرنا ہے اور بذل کا معنیٰ ہبہ اور تملیک نہیں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مدعیٰ علیہ پر شخصی حق قصاص کا دعویٰ ہو اور مدعیٰ علیہ کسی قسم کا قصاص آنے

سے انکار کرتا ہے تو اس منازعت اور خصومت کو ختم کرنے کے لئے مدعیٰ علیہ کے پاس دو ہی صورتیں ہیں یا تو حلف اٹھائے جس سے دعوی ختم ہوجائے۔ یا حلف تو نہ اٹھائے بلکہ رفع خصومت اور دفع ضرر کی غرض سے مدعی کے دعوی کے مطابق قصاص عن الاعضاء پر راضی ہوجائے اور جس عضو کے متعلق دعوی ہے اس کو قصاصاً کٹوا دے۔ واضح رہے کہ یہاں پر رفع الضرر عن نفس المدعیٰ علیہ کے لئے بذل اعضاء تو ہوا ہے لیکن کسی اعضاء کی تملیک یا ہبہ نہیں ہوا نہ ہی وصیت ہوئی۔

نیز امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے کہ "صورتِ مسئولہ میں اعضاء کو قصاصاً کاٹا جائے گا تاکہ مدعیٰ علیہ سے خصومت اور منازعت کا ضرر ختم ہوجائے،، اس کی دو نظائر پیش کی ہیں۔

۱ ، قال فصار کقطع الید للاٰکلۃ وقلع السن للوجع (ہدایہ ۳ ج ۲۰۵)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعضاء کا بذل قصاص کے دعوی میں ایسا ہے جیسا کہ انسان کو اگر اپنے ہاتھ میں کوئی ایسی بیماری لگ جائے کہ اگر اس ماؤف حصہ کو کاٹا نہ جائیگا تو اس حصہ سے بیماری متعدی ہوکر دوسرے اعضاء کے تلف ہونے یا تلفِ نفس کا سبب بن سکتی ہے تو ایسے موقع پر دوسرے اعضاء کو ضائع ہونے سے بچانے کی غرض سے ہاتھ کا وہ حصہ جس میں بیماری لگی ہوئی ہے کاٹ دیا جائیگا اور یہ بذل ہے لدفع الضرر عن نفسہ (اپنے آپ سے ضرر کو دور کرنے کے لئے)

۲ ، اسی طرح اگر کسی انسان کے دانت میں بیماری کی وجہ سے اتنا سخت درد ہے کہ اگر اس مرض والے دانت کو نکالا نہیں جاتا تو یہ مرض متعدی ہوکر دوسرے دانتوں کو خراب کر سکتا ہے تو اس صورت اس ماؤف دانت کا نکالنا جائز ہے تو یہ بھی اعضاء انسان میں ایک طرح کا بذل ہوا۔ اور یہ بذل لدفع الضرر عن نفسہ مفید ہے۔ ۔ ۔

(کمافی البدائع ص۲۳۶ ج ۷، البحر الرائق ص۲۰ ج ۷) صاحب ہدایہؒ کی پوری عبارت کی تشریح اور اس کی وضاحت سے یہ معلوم ہوا۔

۱ ؛ کہ اعضاء انسان میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بذل ہو سکتا ہے جب کہ کسی کا شخصی حق قصاص وغیرہ آرہا ہو۔

۲ ؛ یا انسان اپنے نفس سے کسی ضرر کو دفع کرنا چاہتا ہو۔

۳ ؛ یا کسی عضو کے بذل پر اس کے دوسرے اعضاء یا جسم کی حفاظت وصحت موقوف ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بذل اور ہبہ ایک شئی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے اعضاء انسان کا ہبہ جائز نہیں اور نہ ہی اس کا عطیہ جائز ہے فقہ کی کسی عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اعضاء انسان کا ہبہ کرنا یا اس کا عطیہ کرنا جائز ہے لہٰذا دوسرے انسان کو اعضاء دینے کی وصیت کرنا ناجائز و باطل ہے۔

علاوہ ازیں جس مردہ انسان کے اعضاء دوسرے انسان کو (دیئے جاتے ہیں) مردہ کے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے نہیں دیئے جارہے ہیں۔ بلکہ دوسرے شخص کو فائدہ پہنچانے کے لئے دیئے جارہے ہیں۔ دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اعضاء کے دینے کے لئے جواز پر دلیل چاہیئے۔ جب کہ قارئین حضرات گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان اور انسان کے اعضاء مبتذل نہیں ہیں تاکہ دوسروں پر بلا غرض شرعی ابتذال ہو۔ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے تاکہ دوسرے کو مالک بنا سکے۔

مزید براں بذل کے جواز سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے۔ بلکہ بذل کے جواز اور ہبہ و تملیک کے عدم جواز سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم و اعضاء اباحۃً تو استعمال کر سکتا ہے لیکن کسی دوسرے کو منتقل نہیں کر سکتا۔

لہٰذا ہدایہ کی عبارت سے اعضاء انسان کی پیوندکاری پر استدلال کرنا

محض فاسد و باطل ہے۔ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور تمام مسلمانوں سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے مذکورہ مسائل پر غور فرمائیں گے اور حق واضح ہونے کے بعد اس کی اتباع کریں گے۔

پانچواں شبہ اور اس کا ازالہ؟

بعض حضرات کو شاید یہ شبہ واقع ہو، کہ بعض فقہاء شافعیہ نے شدید اضطراری حالت میں بقدرِ سدِّ رمق بھوک کے لیے غیر معصوم الدم مردہ انسانی لاش کھانے کی اجازت دی ہے، لہٰذا اس پر قیاس کر کے قرنیہ اور گردے کی تبدیلی، طبِ جدید کے تعلیمی تجربے کو جائز قرار دینا چاہیئے۔

اس شبہ کے جوابات بالکل ظاہر ہیں،

الف: اولاً مذکورہ روایت بعض فقہاء شافعیہ کی ہے جمہور امت اور اکثر فقہاءِ شافعیہ کا مذہب بھی اس کے خلاف ہے۔

ب: بعض فقہاء کرام کی روایت اجتہاد پر مبنی ہے، انہوں نے دوسرے مردہ جانوروں پر انسانی لاش کو قیاس کیا ہے، جب کہ انسانی لاش کے محترم اور غیر مستعمل ہونے کے بارے میں قرآن و حدیث کی صریح نصوص اور روایاتِ فقہیہ موجود ہیں، اور اصولِ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جس مقام پر نص شرعی موجود ہو وہاں پر نص کے خلاف قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ انسان اور انسانی اعضاء کے احترام و اکرام کے بارے میں نصوص و روایات کو ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ احترامِ انسانی قرآن و حدیث سے منصوص ہے اس لئے خلافِ احترام کوئی اجتہاد قابلِ اعتبار نہ ہوگا۔

ج: تیسری بات یہ ہے کہ قرنیہ کے مسئلہ میں اُس طرح کی اضطراری حالت

ہی موجود نہیں جس کی بنا پر بعض فقہاء بھوک کے لئے غیر معصوم الدم انسانی لاش کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

د:۔ گردے کے مسئلہ میں اضطراری کیفیت تو پیش آسکتی ہے لیکن جن شرائط کے ساتھ بعض فقہاء شافعیہ نے انسانی لاش کے استعمال کی اجازت دی ہے وہ شرائط گردے کے مسئلہ میں مفقود ہیں مثلاً،

۱۔ بھوک کے لئے مردہ کی لاش استعمال کرنے میں جان بچ جانے کا مسئلہ یقینی درجہ میں ہے اور کوئی دوسرا خطرہ بھی نہیں ہے۔

جب کہ گردے کی تبدیلی میں کسی کی جان بچ جانا نہ صرف یقینی نہیں بلکہ گمان غالب بھی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گردہ دینے اور لینے والے سے براءت نامے لکھوائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ جس طرح مریض کی جان بچ جانا غیر یقینی ہے، اس طرح گردہ دینے والے کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

۲۔ گردے کی تبدیلی زندہ انسان کے اعضاء میں تصرف کر کے ہی ہو سکتی ہے، جب کہ بعض فقہاء کی روایت مردہ انسانی اعضاء کے متعلق ہے، زندہ انسانی اعضاء کے استعمال کی تو کسی فقیہ نے کسی قسم کے مضطر کے لئے اجازت نہیں دی اور اس پر تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

۳۔ پھر بعض فقہاء کی روایت صرف غیر معصوم الدم انسانی لاش کے استعمال کے بارے میں ہے، جب کہ گردے کے مسئلہ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہر قسم کے انسان مسلمان ہو یا کافر، معصوم الدم ہو یا غیر معصوم الدم بلکہ بعض عزیز و قریب تو اسے انسانی ہمدردی اور انسانی خدمت سمجھ کر دیتے ہیں، جب کہ شریعت نے جہاں مضطر کے لئے حرام اور ناجائز چیز کی اجازت دی ہے وہ صرف اس حد

تک ہے کہ مضطر کو گناہ نہ ہوگا، حرمت اپنی جگہ پھر بھی باقی رہتی ہے، لہٰذا غیر معصوم الدم انسانی لاش پر معصوم الدم انسانی لاشوں کو قیاس کرنا ناجائز و باطل ہوگا۔

غرض یہ کہ جن شرائط کے ساتھ بعض فقہار نے انسانی لاشوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے وہ شرائط گردے کی تبدیلی کے مسئلہ میں مفقود ہیں اس لئے گردے کی تبدیلی کسی فقیہ کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔

رہا یہ کہ طبِ جدید کی تعلیمی ضرورت کے لئے انسانی لاشوں کا استعمال کرنے کے مسئلہ کو بعض فقہار کی روایت پر قیاس کر کے انسانی لاشوں پر تعلیمی تجربے کئے جائیں یہ قیاس بھی ناجائز اور باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ طبِ جدید کے تحت تجربے حاصل کرنا شرعی اضطرار میں نہیں آتا، کیونکہ طب پر عمل کرنا شرعاً کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر گذشتہ صفحات میں ہم نے بحث کی ہے، اسی وجہ سے مریض اگر گردے کی تکلیف میں مرجاتا ہے اور علاج ہی نہیں کرتا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ اگر علاج کرنا اور طب پر عمل کرنا فرض اور ضروری ہوتا تو مریض گنہگار ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ طب پر عمل کرنا، علاج کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں، اور یہ قاعدہ ہے جو چیز فرض یا واجب نہیں ہوتی اس کی تعلیم بھی فرض یا واجب نہیں ہوتی ہے لہٰذا طبِ جدید کے تحت انسانی لاشوں پر تجربے کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں، زیادہ سے زیادہ مہارت حاصل کرنے کے لئے افضل اور مستحسن ہی ہو سکتا ہے تو کسی امرِ مستحسن کے لئے حرام امور کا ارتکاب جائز نہیں۔ پھر انسانی لاشوں کا احترام اور اس کی حرمت کا مسئلہ تو ہے ہی اتنا نازک اور اہم، کہ مضطر کے لئے بھی اس کا احترام اور حرمت باقی رہتی ہے، اس واسطے مضطر کسی معصوم الدم انسانی لاش کی بے حرمتی نہیں کر سکتا۔ جب مضطر کے لئے اس کی بے حرمتی

جائز نہیں تو ڈاکٹری تعلیم حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات تو مضطر بھی نہیں ہیں اور ان کو کوئی اضطراری کیفیت نہیں ہے اگر طلباء انسانی لاشوں پر تجربے نہیں کرتے تو ان کی جانیں ضائع نہیں ہوتیں اور نہ آئندہ ہوں گی، اور ان کو کسی ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے تو ان کے لئے انسانی لاشوں کی قطع و برید کیسے جائز ہو گی، رہا یہ کہ دوسرے مریض کا علاج کر کے جان بچائی جا سکے گی تو میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ علاج کے ذریعہ جان بچانا نہ مریض پر فرض ہے نہ ڈاکٹر پر، اسی واسطے مریض اگر علاج کئے بغیر مر جاتا ہے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔

لہٰذا بعض فقہاء کی رائے کو آڑ بنا کر نصوصِ شرعیہ کے خلاف انسانی لاشوں کی بے حرمتی قطعاً جائز نہ ہو گی۔

اَلضَّرُورَاتُ تُبِیحُ الْمَحْظُورَاتِ کی تحقیق

یہ پہلے مغالطہ کا مفصل جواب تھا،........ دوسرا مغالطہ یہ تھا کہ ضرورت ممنوع اشیاء کو جائز اور مباح بنا دیتی ہے، اس اصول میں بھی ضرورت کے درجات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو آئیے اب ہم اس دوسرے مغالطہ کا جواب دیتے ہیں۔

جس طرح اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے جواز میں فتویٰ دینے والے اور اس کی حمایت کرنے والوں کو فقہاء کے قاعدے "الضرورات تبیح المحظورات" کے اصطلاحی مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے، اسی طرح آج کل ایک بڑا طبقہ بہت سارے معاملات میں اس قانون کو پڑھتا اور لکھتا ہے مگر اس نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ جس قاعدے کو ہم اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کر رہے ہیں آخر اس کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس

قاعدہ کو وضع کرنے والوں نے شریعت اسلامیہ کی کن نصوص و روایات سے اس قاعدہ کو اخذ کیا ہے پھر ضرورت کے شرعی مفہوم اور ان حضرات کے مفروضہ ضرورت کے مفہوم کے درمیان کوئی مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ اس لئے مناسب ہے کہ اس جگہ انسانی حاجت و ضرورت، اضطرار، اور منفعت پر مختصر بحث تحریر کر دی جائے تاکہ سمجھنے والوں کو دقت نہ ہو۔

ضرورت کے اقسام اور اس کے احکام

علامہ حموی ؒ نے شرح الاشباہ والنظائر میں انسانی ضرورت کے پانچ درجے بیان کئے ہیں۔ ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

۱۔ ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع و حرام شیٔ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو یہ شخص ہلاک یا قریب الہلاک ہو جائے گا یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے گا ضرورت کی یہی صورت اضطرار کی ہے۔ اسی حالت میں ممنوع اور حرام اشیاء کا استعمال آگے آنے والی شرائط کے ساتھ جائز ہے ورنہ نہیں۔

۲۔ حاجت، ضرورت کا دوسرا حصہ حاجت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ممنوع اشیاء کا استعمال نہ کیا جائے تو ہلاکت کا خطرہ تو نہیں لیکن مشقت اور شدید تکلیف کا خوف ہے یہ صورتِ اضطرار میں داخل نہیں۔ اس ضرورت کے تحت عبادات میں اسلام نے بعض سہولتیں دی ہیں مثلاً مسافر کے لئے ایک میل کی مسافت میں اگر پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ حالت سفر میں نماز کو قصر کرنا، روزہ نہ رکھنے کی اجازت، بیماری میں بیٹھ کر نماز پڑھنا اس ضرورت کے تحت مشروع ہیں لیکن ضرورت کی اس قسم میں حرام چیزوں کا استعمال کرنا بنص قرآنی جائز نہیں۔

۳ ۔ منفعت :۔ ضرورت کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی خاص تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں جیسے عمدہ کھانے، عمدہ لباس، مقوی غذائیں، کاروبار میں زیادہ سے زیادہ نفع کمانا، ضرورت کی اس قسم میں کوئی حرام شی حلال و مباح نہیں ہوتی، اگر جائز طریقے سے یہ منافع حاصل ہو جائیں تو بہتر ہے اگر ناجائز اور امور غیر شرعیہ کا ارتکاب کرنا پڑے تو جائز نہ ہوگا۔

۴ ۔ زینت :۔ ضرورت کی اس قسم میں جس سے بدن کو کوئی خاص تقویت تو نہیں ملتی، محض تفریحِ نفس اور خوش عیشی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی ضرورت کے لئے ناجائز و ممنوع اشیاء کا استعمال ناجائز ہوگا مثلاً مرد کے لئے ریشمی کپڑا، سونے کی انگوٹھی، گلے میں سونے کا ہار، ناپاک اور شراب آمیز اشیاء کا استعمال۔

۵ ۔ فضول یہ ضرورت کی ادنیٰ قسم ہے جو کہ زینت اور مباح سے بھی زائد ہے محض ہوس اور نفس کی اتباع ہے لہٰذا اس کے لئے کوئی حرام شی حلال نہ ہوگی، جیسے ٹی وی، وی سی آر، اور دوسرے آلاتِ لہو و لعب، سامانِ تعیش۔

ضرورت کی انواع اور اس کی تفصیلات جو ہم نے لکھی ہیں اس کے لئے الاشباہ کی عبارت ملاحظہ ہو

قولہ ما ابیح للضرورۃ فی فتح القدیر ھھنا خمسۃ مراتب ضرورۃ، وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول۔	مصنفؒ کا قول " ما ابیح للضرورۃ " کے متعلق صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ ضرورت کے پانچ درجے ہیں۔ (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت
فالضرورۃ بلوغہ حدًا ان	(۵) فضول، ضرورت کا پہلا درجہ تو یہ

لو لم يتناول الممنوع هلك او قارب
وهذا يبيح تناول الحرام، والحاجة
كالجائع الذي لو لم يجد ما ياكله
لم يهلك غير انه يكون في جهد
ومشقة وهذا لا يبيح الحرام
ويبيح الفطر في الصوم، والمنفعة
كالذي يشتهي خبز البر، ولحم
الغنم والطعام الدسم و
الزينة كالمشتهي بحلوى و
السكر، والفضول التوسع بأكل
الحرام والشبهة۔
(حاشية حموي على الاشباه والنظائر
ص ١١٩ ج ١)

ہے کہ اگر ضرورت مند امر ممنوع کا ارتکاب
نہیں کرتا تو ہلاک ہو جائے گا یا ہلاکت کے
قریب ہو گا اس وجہ ضرورت شدیدہ
پر تو بعض حرام و ممنوع شئی کا کھانا جائز
ہوگا، ضرورت کی دوسری قسم یہ ہے
کہ اگر ضرورت مند امر ممنوع کا ارتکاب
نہیں کرتا تو ہلاکت تو نہ ہو گی لیکن اس
کو تکلیف و مشقت ہو گی مثلاً شدید بھوک
بھوکا ہونا، لیکن ہلاکت کا بھی اندیشہ
نہیں ہے۔ تو اس کے لئے حرام
اشیاء کا کھانا یا امر ممنوع کا ارتکاب جائز
نہیں، البتہ ایسے شخص کے لئے روزہ کا
افطار کرنا جائز ہوگا، ضرورت کی تیسری
قسم یعنی منفعت اس کی مثال ایسا ہے
جیسا کہ گندم کی روٹی، بکرے کا گوشت
وغیرہ چربی دار کھانا کی ضرورت تو اس
سے کوئی حرام کا ارتکاب حلال و مباح
نہیں ہوتا، ضرورت کی چوتھی قسم یہ ہے
مثلاً کوئی اچھے لباس، کھانے کے
اوپر حلوہ اور مٹھائی کھانے کا خواہشمند
جب ان مذکورہ چیزوں کے لئے حرام

اور کسی ناجائز امر کا ارتکاب جائز نہیں ہے
ضرورت کی پانچویں قسم یعنی فضول خرچی
یعنی ضرورتِ توسع کے واسطے ناجائز
اور مشتبہ امور کا ارتکاب کرنا۔

ضرورت کی تعریف و اقسام کا یہی مضمون الاشباہ والنظائر للسیوطی شافعی میں بھی ہے (ص ۸۵)

چونکہ یہاں پر بحث ضرورت بمعنی اضطرار کی ہے جس کی وجہ سے حرام اور ممنوع اشیاء حلال ہو جاتی ہیں اس لئے ضرورتِ اضطرار سے ملنے والی رخصتوں کی تفصیل بھی محقق العصر فقیہ و مفتی حمص علامہ خالد اتاسی کی تالیف شرح المجلہ سے سنئے۔ صاحب شرح مجلہ تحریر فرماتے ہیں

ضرورت کا قانون قرآن کریم کی نص قولہ تعالیٰ الا ما اضطررتم سے ماخوذ ہے اضطرار کہا جاتا ہے حاجت اور ضرورت شدیدہ کو۔ ایسے موقع پر فعلِ محظور اور شئی ممنوع عنہ مباح ہو جاتی ہے اور اس میں منجانب الشارع ایک نوع کی رخصت ہے اور ضرورت و اضطرار کی اس حالت میں فعل حرام اور شئی ممنوع کا مباح ہو جانا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

۱ ۔ حالتِ اضطرار محقق ہو یعنی جان یا عضو کے تلف ہونے کے خطرہ یقین یا غالب گمان ہو۔

۲ ۔ خطرۂ جان یا تلف عضو محض وہمی و خیالی نہ ہو بلکہ صاحب رائے ڈاکٹر یا طبیب یا مبتلی بہ کو یقین ہو۔

۳ ۔ حرام یا ممنوع اشیاء کے استعمال سے جان یا عضو کا بچ جانا یقینی ہو تجربہ یا دلیل سے۔

۴۔ حرام کے ارتکاب کے بغیر جان بچنا اور بچانا ممکن نہ ہو یہ چار شرائط ہیں (کذا فی التشریع الجنائی ص ج ۱)

پھر جب ضرورت اضطرار اپنے شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو ممنوع اور حرام اشیار کے استعمال کے بارے میں رخصت کے تین درجے ہوتے ہیں، دو درجوں میں حرام اور ممنوع اشیار کا استعمال جائز ہوتا ہے اور ایک درجہ میں اضطرار میں بھی ممنوع و حرام اشیار کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔

رخصت کے تین درجے اور ان کی تفصیل

رخصت کے تین درجے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ رخصت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ جیسے شدید بھوک کی حالت میں جب کہ جان کا خطرہ ہو مردہ جانور کا گوشت اور خنزیر کھانے کی اجازت ہے، اسی طرح شدید پیاس کی حالت میں جب جان کا خطرہ ہو خون یا پیشاب اور شراب پینے کی بھی اجازت ہے اور اکراہ تام یعنی جان سے مار ڈالنے کی یا کسی عضو کو ضائع کرنے یا ایسی ضرب شدید کی دھمکی دے کر مذکورہ بالا حرام اشیار کھانے پر مجبور کرے تو ایسی حالت میں مذکورہ بالا حرام اور ممنوع اشیار کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

شرح مجلہ کی عبارت یہ ہے۔

ثم ان هذه الرخصة ثلثة انواع، نوع هو مباح كاكل الميتة والدم ولحم الخنزير و شرب الخمر عند المجاعة او الغصة او العطش او عند الاكراه	ایک نوع تو ایسا ہے کہ اس میں شئی حرام کی حرمت تو ختم نہیں ہوتی لیکن مضطر کے لئے بوجہ اضطرار و اکراہ تام شئی حرام مباح ہو جاتی ہے مثلاً مردہ جانور اور خنزیر کا گوشت کھانا شدید بھوک

التام بقتل او قطع عضو فهذه الاشياء تباح عند الاضطرار لقوله تعالیٰ الا ما اضطررتم الیہ ای دعتکم شدۃ المجاعۃ الیٰ اکلها والاستثناء من التحریم اباحۃ . شرح المجلۃ ص٥٥ مادہ ٢١ تشریح الجنائی ص٧٧ ج ١)

کے وقت یا شراب اور خون کا پینا شدید پیاس کے وقت یا گلے میں لقمہ اٹکنے کے وقت اسی طرح قتل کرنے یا اس کے عضو کاٹنے پر اکراہ تام کرے تو بھی مذکورہ اشیاء کا استعمال کرنا مباح ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ کا قول ہے "الا ما اضطررتم الیہ" یعنی جس کے کھانے پر تم مجبور ہو قرآن کریم میں حرام سے جو استثناء کیا گیا ہے یہ اباحت کے فائدہ کے لئے ہے

لیکن اگر اکراہ تام اور جبر تام نہیں ہے مثلاً حبس اور قید کرنے کی دھمکی دیتا ہے یا ذلیل کرتا ہے یا ایسی ضرب کی دھمکی دیتا ہے جس سے جسم یا عضو کے ہلاک ہونے کا خوف نہیں یعنی ایک نوع کا ضرر تو ہے لیکن خوف ہلاکِ نفس یا تلف عضو کا خطرہ نہیں، اس صورت میں جو ضرورت ہے اس کے پیش نظر مذکورہ بالا اشیاء کا استعمال مردہ جانور کا گوشت خنزیر وغیرہ کھانا شراب پینا جائز نہیں، لما فی شرح المجلہ۔

وان کان الاکراہ ناقصا کحبس او ضرب لا یخاف منه التلف لا یحل له ان یفعل ذلك (شرح المجلۃ ص٥٥ ج ١)

اور اگر اکراہ ناقص ہو جیسا کہ قید کرنے کی دھمکی، ایسی زدوکوب جو موجب ہلاکت نہیں تو ایسے اکراہ پر حرام کا ارتکاب اور حرام اشیاء کا استعمال حلال نہیں ہوتا۔

اور رخصت کی دوسری قسم یہ ہے کہ ضرورت اضطرار کی بنا پر اشیاء محرمہ کی حرمت تو کسی حال میں ساقط نہ ہوگی بلکہ حرمت باقی رہتے ہوئے مجبور تمند کو بوجہ ضرورت اضطرار اس فعل ممنوع کرنے کی رخصت ہوگی مثلاً کسی مسلمان کے مال کو نقصان پہنچانا، کسی کی ذات پر تہمت لگانا۔ اور دل جب مطمئن ہو اکراہ تام میں کلمہ کفر کا جاری کرنا یا افعال فی نفسہ حرام ہیں لیکن مضطر و مکرہ کیلئے بوجہ اضطرار ان کے ارتکاب کرنے کی رخصت ہوگی لیکن اگر اس پر عمل نہ کیا تو گناہ بھی نہ ہوگا۔ بلکہ ثواب ملے گا۔

شرح المجلہ میں ہے،

ونوع لا تسقط حرمته بحال ولكن يرخص فيه كاتلاف مال المسلم والقذف في عرضه واجراء كلمة الكفر على لسانه مع اطمينان القلب بالايمان اذا كان الاكراه تاما فهو في نفسه محرم مع ثبوت الرخصة فاثر الرخصة في تغير حكم الفعل وهو المواخذة لا في تغير وصفه وهو الحرمة والامتناع عنه افضل حتى لو امتنع فقتل كان ماجورا۔ (شرح المجلہ صد ۵۲ ج ۱)	رخصت کی ایک قسم وہ ہے جس میں اشیاء محرمہ کی حرمت کسی حال میں ختم نہیں ہوتی لیکن حرمت باقی رہتے ہوئے شرعاً بوجہ ضرورت اضطرار شی ممنوعہ کی رخصت دی جاتی ہے، مثلاً کسی مسلمان کے مال کا ضائع کرنا کسی کی ذات پر تہمت لگانا اور اطمینان قلب کی حالت میں بوجہ اضطرار کلمۂ کفر کا زبان سے نکالنا جبکہ اضطرار اکراہِ تام کی بنا پر ہو، پس مذکورہ بالا ممنوع اشیاء کی حرمت اپنی جگہ باقی ہے، لیکن اس کے باوجود مضطر اور مکرہ کے لئے ان کا ارتکاب جائز ہو جاتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اضطرار

واکراہ کا اثر جواز فعل میں ظاہر ہوا کہ
صفتِ شیٔ نہیں لہٰذا اگر مضطر نے امر
ممنوعہ سے پرہیز کیا تو اس نے اچھا کیا
اس کو اس پر اجر ملے گا۔

نیز واضح رہے کہ اضطرار کی حالت میں شریعت نے بعض اشیار محرمہ کے ارتکاب کی اجازت و رخصت دی ہے سب کی نہیں بلکہ اس رخصت سے بعض اشیار کو مستثنیٰ قرار دیا گیا، جو کہ کسی حال میں مباح نہیں ہوتیں خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص، اضطراری کیفیت ہو یا نہ، جیسے کسی مسلمان کا قتل کرنا اور اس کے عضو کو کاٹ دینا، زنا کرنا، والدین کو مارنا۔ لمافی شرح المجلہ۔

نوع لا یباح ولا یرخص	اضطرار کا ایک نوع ایسا ہے کہ اس میں
اصلاً بالاکراہ التام ولا بغیرہ	شیٔ مباح نہیں ہوتی نہ اس کو کرنے
کقتل المسلم او قطع عضو منہ	کی اجازت ہے خواہ اکراہ تام یا اکراہ
بغیر حق والزنا وضرب الوالدین	نہ ہو مثلاً ناحق کسی انسان کا قتل یا
(شرح المجلہ ص۵۶ ج۱)	اس کے کسی عضو کا کاٹنا، زنا کرنا، والدین
	کو زدوکوب کرنا۔

صاحب مجلہ آگے لکھتے ہیں کہ آپ کو جب رخصت کے تینوں انواع معلوم ہو گئے تو اس سے واضح ہوا کہ شریعت کا قانون "الضرورات تبیح المحظورات" رخصت کی تیسری قسم کو شامل ہی نہیں بلکہ اس قاعدہ کے تحت ضرورت کی صرف نوعِ اوّل اباحت کے ساتھ اور نوعِ ثانی رخصت مع بقاء الحرمہ آتے ہیں۔

(شرح مجلہ ص۵۶ ج۱)

حالتِ اضطرار میں کسی دوسرے انسان یا اس کے اعضاء کی قطع و برید جائز نہیں۔

چنانچہ صاحب مبسوط شمس الائمہ سرخسی رح لکھتے ہیں،

الا تریٰ ان المضطر کما لایباح لہ قتل الانسان یاکل من لحمہ لایباح لہ قطع عضو من اعضائہ

(مبسوط ص۴۸ ج ۲۴)

کیا آپ کو پتہ نہیں کہ واقعی مضطر کے لئے جس طرح جان بچانے کے لئے دوسرے انسان کو قتل کرنا (تاکہ اس کو کھا کر جان بچائے) جائز نہیں اسی طرح جان بچانے کی غرض سے اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ لینا بھی جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے،

مضطر لم یجد میتۃ و خاف الھلاک فقال لہ رجل اقطع یدی و کُلھا او قال اقطع منی قطعۃ فکلھا لایسعہ ان یفعل ذلک ولایصلح امرہٗ بہ کما لایسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من لحم نفسہ فیاکل

(خانیہ ص۴۰۴ ج ۳ بحاشیہ عالمگیریہ ص۴۰۴ ج ۳)

اگر کوئی ایسا مضطر ہے جان بچانے کے لئے کوئی مردہ جانور بھی نہیں پاتا اور اسے ہلاکت کا اندیشہ غالب ہے اور اس کو کوئی آدمی کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ لو اور اسے کھا کر جان بچا لو تو مضطر کے لئے جائز نہیں کہ ایسا کرے اور عضو دینے والے کا اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے اسی طرح خود مضطر کے لئے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ شدت بھوک کی وجہ سے اپنے عضو کو کاٹ کر کھائے۔

مطلب یہ کہ مضطر کو موت کا خطرہ یقینی ہو جائے اور مضطر کے پاس حرام

وممنوع اشیاء میں سے کوئی نہ ہو، شراب، خون، خنزیر کا گوشت، ایک شخص ایثار وانسانی ہمدردی مضطر سے کہتا ہے کہ میرا ایک ہاتھ یا کوئی عضو کاٹ کر کھالو تو مضطر کے لئے اس کی اجازت نہیں اور غیر ایثار اور قطعِ ید کا حکم اور اجازت بھی صحیح نہیں۔

قاضی خان کی عبارت بالکل واضح ہے کہ اضطرار کی حالت میں انسان کے جسم اور اعضاء کی قطع و برید جائز نہیں ہے خواہ اس نے اجازت ہی کیوں نہ دی ہو، انسانی ہمدردی کر کے عطیہ کیوں نہ دیا ہو اس لئے کہ انسانی اعضاء غیر مملوک ہیں قابل عطیہ اور قابل انتفاع نہیں اور زیر بحث مسئلہ قرنیہ اور آنکھوں کی وصیت کا حکم بھی اس سے معلوم ہو گیا کہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ زندگی میں جس چیز کو عطیہ نہیں دے سکتا مرنے کے بعد اس کی وصیت بھی نہیں کر سکتا کیونکہ شئی ہیں زندگی کے بعد تصرف جائز ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ زندگی میں تصرف جائز رہا ہو۔

شرح الاشباہ والنظائر للحموی میں ہے۔

ولا یاکل المضطر طعام مضطر اٰخر ولا شیئًا من بدنہ (شرح الاشباہ والنظائر ص۱۲۱ ج۱، التشریع الجنائی ص۴۴۲ ج۱، مادہ ۲۰۰، القاعدۃ الخامسۃ)	اور (ایک) مضطر دوسرے مضطر کا کھانا نہیں کھا سکتا اور نہ ہی دوسرے مضطر کے بدن میں سے کچھ کھا سکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ملک العلماء الکاسانی رح لکھتے ہیں،۔

اما النوع الذی لا یباح و لا یرخص بالاکراہ اصلاً فھو قتل المسلم بغیر حق سواء کان الاکراہ	اور ایک نوع اشیاء محرمہ کا ایسا ہے کہ اکراہ تام سے بھی وہ اشیاء مباح اور حلال نہیں ہوتیں، مثلاً کسی مسلمان کا قتل کرنا کیونکہ

ناقصا او تاما لان قتل المسلم بغیر
حق لا یحتمل الاباحة بحال۔
قال الله تعالیٰ و لا تقتلوا
النفس التی حرم الله الا بالحق
وکذا قطع عضو من اعضائه
والضرب المهلك قال الله تعالیٰ
والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات
بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا
واثما مبینا۔

وکذلك ضرب الوالدین قل
او کثر قال الله تعالیٰ ولا تقل لهما
اف، والنهی عن التافیف نهی عن
الضرب الی قوله وکذا الزنا لا
یباح له بحال۔

(البدائع الصنائع ص ۱۷۶ ج ۷)

ناحق کسی مسلمان کا قتل کرنا کسی حال میں
جائز نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کے قتل
کرنے کو حرام قرار دیا تم اسے ناحق قتل
مت کرو۔ اسی طرح کسی انسان کے عضو
کا کاٹنا، کسی انسان کو ایسا زد و کوب
کرنا جو موجب ہلاکت ہو، جائز نہیں
چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو
لوگ مومنین اور مومنات کو ناحق ایذا دیتے
ہیں وہ بہت بڑا بہتان اور کھلے گناہ کا
ارتکاب کرتے ہیں۔ اسی طرح والدین کو
زد و کوب خواہ زیادہ ہو یا کم کسی حال میں
جائز نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
"ان کو اُف تک مت کہو" اف کہنے سے
منع کرنا زد و کوب کرنے سے منع کرنا ہے
اسی طرح زنا کرنا اضطرار و اکراہ کی حالت
میں بھی جائز نہیں ہے۔

کتب فقہ و فتاویٰ کے ان حوالوں سے صاف معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء سے
نفع حاصل کرنا حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں، لہٰذا قرنیہ اور اسی طرح دوسرے
اعضاءِ انسانی کی قطع و برید بھی جائز نہیں۔ پھر جب کہ قرنیہ آنکھوں کی پیوندکاری
کا مسئلہ سرے سے ضرورت و اضطرار میں داخل ہی نہیں تو اس کے لئے الضرورات

تبیح المحظورات " کا قاعدہ چسپاں کرنا خالص کج فہمی ہے، البتہ دل وگردہ وغیرہ مسائل میں اضطرار تو متحقق ہوگا لیکن شرائط مفقود ہیں جیسے دوسرے کے گردے اور دل لگانے سے حیات اور صحت یقینی نہیں ہے ظنی ہے جب کہ اضطرار کی اسی حالت میں انسانی اعضاء سے انتفاع حاصل کرنے کی رخصت بھی نہیں ہے جیسا کہ اوپر کے حوالوں سے معلوم ہوا۔

نیز قرنیہ کا مسئلہ علاج کے زمرے میں آتا ہے جو ضرورت کے اقسام میں منافع کے قبیل سے ہے تیسرے درجہ کی ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ اسے حاجت کہا جاسکتا ہے لیکن ضرورت کی ان دونوں انواع یعنی حاجت و منفعت میں حرام وممنوع اشیاء حلال نہیں ہوتیں جیسے مردہ جانور اور خنزیر کا کھانا، خون اور شراب کا پینا، تو انسان اور اعضاء انسان کی پیوندکاری کس طرح اور کیونکر جائز ہوگی؟

اعضائے انسان کی پیوند کاری سے علاج کرنا حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں

اعضائے انسانی اور جسمِ انسانی کے کسی حصے سے اضطرار اور مجبوری کی حالت میں بھی علاج جائز نہیں ہے

فتاوی عالمگیری میں ہے:

التداوی والمعالجات و الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح، کذا فی جواهر الاخلاطی (ص ۳۵۴ ج ۵)	انسانی اعضاء سے تداوی علاج ومعالجہ اور اس سے انتفاع حاصل کرنا جائز نہیں، بعض نے کہا کہ نجاست کی وجہ سے، بعض دوسروں نے کہا کرامت واحترام

کی وجہ سے، یہی وجہ صحیح ہے۔

قاضی خان میں ہے:

رجل برجله جراحة قالوا یکرہ لہ ان یعالج بعظم الانسان والخنزیر لانہ یحرم الانتفاع۔ (فتاوی قاضی خان ص۴۰۴ ج۳)

اگر کسی انسان کے پاؤں میں کوئی زخم ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ انسان اور خنزیر کی ہڈی سے علاج کرے کیونکہ اس سے انتفاع حرام ہے

بدائع الصنائع میں ہے:

لو سقط سنہ یکرہ ان یأخذ سن میت فیشدھا مکان الاولی بالاجماع۔ (بدائع ص۱۳۲ ج۵)

اگر کسی انسان کا دانت گر جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مردہ انسان کا دانت اس جگہ لگا دے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

غرض اعضاء انسان کی پیوندکاری سے علاج کرنا کتب حدیث اور فقہ و فتاوی کے حوالوں سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا جزئیات سے ثابت ہوا کہ اعضاء انسانی سے علاج جائز نہیں خواہ میت کا گرا ہوا دانت ہی کیوں نہ ہو جب مردہ کے پڑے ہوتے اور گرے ہوئے دانت سے علاج جائز نہیں تو اس کے وہ اعضاء جو جسم کے حصے میں اسے کاٹ کر علاج کرنا کس طرح جائز ہوگا؟

اندھے کے اندھاپن کو ضرر شرعی قرار دینا فحش غلطی ہے

ایک محقق صاحب نے اپنی ایک تحریر میں بعض فقہی قواعد کو بڑی فراخ دلی سے [illegible] کیا ہے اور ان قواعد کو استعمال کر کے اعضاء انسانی کی پیوندکاری کا

جواز ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں اس کی وجوہ یہ ہیں۔
۱۔ موصوف نے اندھا ہونے کے ضرر کو ضرر شرعی " قرار دیا ہے۔
۲۔ علاج کو ایسی ضرورت قرار دیا ہے جس سے محظور وحرام مباح ہو جاتا ہے۔
۳۔ اندھے آدمی کے اندھے پن کو ضرر شدید اور مردہ آدمی کی آنکھیں نکالنے کو ضرر خفیف قرار دیا ہے۔
۴۔ نتیجہ نکالتے ہوئے مردہ آدمی کے عضو (قرنیہ) کو زندہ آدمی کی آنکھوں میں لگانے کو مباح ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اجالا شریعت نمبر ۱۹۸۹ء

قارئین کرام نے گزشتہ صفحات میں پڑھ لیا ہوگا کہ جس ضرورت کی وجہ سے حرام چیز جائز ہو جاتی ہے وہ ضرورت بمعنی اضطرار ہے، پھر اس میں بھی تخصیص ہے کیونکہ اضطرار ہر حرام چیز کو مباح قرار نہیں دیتا بلکہ اضطرار میں بھی بعض حرام وممنوع اشیاء ممنوع وحرام رہتی ہیں مثلاً انسان کا قتل، اعضاء انسان کی قطع و برید، زنا، والدین پر ضرب شدید یعنی ان کو زدوکوب کرنا، ان سب کی حرمت ہر حال میں رہتی ہے۔ جیسا کہ شرح المجلہ ص۲۵ ج۱، شرح الاشباہ والنظائر ص۱۰۸، بدائع ص۱۷۶ ج۷، مبسوط ص۴۸ ج۲۴، کے حوالوں سے گزرا ہے

قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ نصوص شرعیہ اور فقہائے کرام کے مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے " الضرورات تبیح المحظورات "، کے قانون کو اعضائے انسانی کی قطع و برید کے لئے استعمال کرنا جائز ہے؟ جب کہ یہ قانون جن جن کتابوں میں موجود ہے، ان کتابوں میں ضرورت کو علی الاطلاق نہیں چھوڑا گیا بلکہ ہر جگہ ضرورت کی تعریف اور اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت بمعنی اضطرار سے بعض حرام اشیاء مباح ہو جاتی ہیں جیسا کہ شدید بھوک وپیاس سے اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو مردہ جانور کا گوشت

شراب، خنزیر، خون وغیرہ لیکن بعض اشیاء محرمہ اضطرار کی حالت میں بھی حرام رہتی ہیں مثلاً دوسرے انسان کا قتل کرنا، اس کے عضو کاٹ کر کھانا یا کسی اور طرح اس میں تصرف کرنا اگرچہ دوسرے نے اس کو عطیۃً اور تبرعاً دیا ہو جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا ہے۔

ایک محقق صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ نابینا آدمی کو آنکھوں کی ضرورت ہے اگر نابینا آدمی کو مردہ آدمی کی آنکھیں لے کر لگادی جائیں تو کیا حرج ہے؟

(ابلاغ شریعت نمبر ۱۹۶۷ء)

اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس میں تمام وہ خرابیاں لازم آتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے یعنی تکریم انسانی کے بارے میں نصوص و روایات اور فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آتی ہے، انسان کا عام اشیاء کی طرح مبتذل اور متصرف ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ انسان خود مبتذل نہیں بلکہ مبتذل یعنی ابتذال کرنے والا اور خرچ کرنے والا ہے۔

نیز اس سلسلہ میں مجوزین حضرات سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ نابینا کی یہ ضرورت اقسام ضرورت میں سے کس قسم میں داخل ہے (۱) اضطرار میں (۲) یا ضرورت بمعنی حاجت میں۔ (۳) یا منافع میں۔ آپ اگر کہیں کہ یہ ضرورت اضطرار میں ہے تو یہ بات حقیقت کے خلاف اور انتہائی درجہ کی جہالت ہوگی کیونکہ نابینا آدمی کو اگر آنکھیں نہ ملیں تو اس سے نابینا کی جان نکلنے یا اسکے کسی عضو کے ہلاک ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے نہ ہی نابینا کو کوئی مجبور کر رہا ہے کہ تو دوسرے کی آنکھیں نکال لے ورنہ تجھے قتل کر دیا جائے گا یا تمہارا کوئی عضو ضائع کر دیا جائے گا۔ جب معنی اضطرار کا وجود ہی نہیں تو حرام چیز کا حلال ہونا کس طرح ثابت ہوگا۔ مزید براں یہ کہ فقہاء کرام نے مستقل طور پر یہ تصریح کی ہے کہ دوسرے انسان کا قتل یا اس کے

اعضاء کی قطع و برید حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں جیسا کہ ضرورت و اضطرار کی بحث میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے تو نابینا کو بینا بنانے کے لئے زندہ یا مردہ انسان کی آنکھیں کس طرح دی جا سکیں گی۔ معلوم ہوا کہ نابینا کو کوئی شرعی اضطرار کی کیفیت نہیں ہے

اگر آپ کہیں گے کہ نابینا کی ضرورتِ آنکھ ضرورت یعنی حاجت کی تعریف میں آتی ہے کیونکہ آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور آنکھ حاصل ہو جانے سے تکلیف دور ہو جائے گی تو اس وقت ہم یہ کہیں گے کہ ضرورت یعنی حاجت میں حرام اشیاء مباح نہیں ہوتیں مثلاً کسی کو شدتِ بھوک یا پیاس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے لیکن اس سے اس کو خطرۂ جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اس صورت میں حرام اشیاء مباح الاستعمال نہ ہوں گی یعنی مردہ جانور کا گوشت، خنزیر اور دوسری حرام اشیاء استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی جیسا کہ الاشباہ والنظائر ص ۱۰۵ اور شرح المجلہ ص ۵۵ ج ۱ میں ہے تو اعضاء انسانی کا استعمال کس طرح جائز ہوگا۔ جو کہ کسی حال میں بھی مباح نہیں۔

نیز مبسوط اور بدائع میں ہے کہ اگر کسی شخص کو حرام کے ارتکاب کرنے پر مجبور کیا جائے مثلاً شراب پینے پر مجبور کیا جائے اور حرام کے ارتکاب کرنے پر حبس و قید کی دھمکی دے دی جائے یا ایسی تکلیف کی دھمکی دے دی جائے جو کہ باعثِ ہلاکت تو نہیں مگر باعثِ تکلیف ضرور ہے تو ایسی صورت میں اکراہ متحقق نہیں ہوگا یعنی یہ اضطرار ثابت نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں قید اور ضرب سے بچنے کے لئے حرام کا ارتکاب جائز نہ ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مبسوط للامام السرخسی ص ۵۹ ج ۲۴، شرح المجلہ ص ۵۵ ج ۱، الاشباہ و النظائر ص ۱۰۵۔

لہٰذا نابینا کی ضرورت مگر ضرورت بمعنی حاجت ہے تو اس ضرورت میں تو عام حرام اشیاء کا استعمال بھی جائز نہیں ہوتا تو انسانی اعضاء اور اس کی آنکھیں جو کسی بھی حالت میں حلال اور مباح نہیں ہوتیں نابینا کی حاجت پوری کرنے کے لئے اس کی قطع و برید کی حلت و اباحت کس دلیل اور کس بنیاد پر ثابت ہوگی۔

نیز یہ بھی واضح ہے کہ اعضاء انسان کی پیوندکاری کے جواز پر فتوی دینے والوں نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جس چیز میں ایک پہلو مضرت کا اور دوسرا پہلو منفعت کا ہو مگر منفعت کا پہلو غالب ہو تو اسے اختیار کیا جائے گا، اور ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی چیز میں اگر دو برائیاں ہوں تو ان میں سے بڑی برائی سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

چنانچہ محقق موصوف مزید لکھتے ہیں:

نابینا آدمی کو اگر بینائی مل جاتی ہے تو اس پر غور کرنے سے منفعت کا پہلو غالب اور مضرت کا پہلو انسانی لاش کی قطع و برید میں مغلوب نظر آتا ہے اسی طرح نابینا آدمی کو بینائی سے محروم کرنا ایک ضرر ہے اور مردہ انسان کی قطع و برید دوسرا ضرر ہے لیکن اس میں بھی زندہ آدمی کا ضرر مردہ آدمی کے ضرر سے زیادہ شدید ہے۔ اجالا شریعت اپریل تا اکتوبر ۹۶ء

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے اصولِ شرع کے بعض قواعد تو اپنے مطلب کے لئے ناقص طور پر یاد کئے ہیں لیکن دوسرے قواعد کو نظر انداز کر دیا ہے اصول شرع کا قاعدہ ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کسی امر میں مفاسد اور منافع دائر ہوں تو مفاسد کو دور کیا جائے گا منافع کو حاصل نہیں کیا جائے گا۔ دفع المفاسد اولی من جلب المنفعة

(شرح المجلہ ص ۳۲ ، الاشباہ والنظائر ص ۳۳)

نابینا کے مسئلہ میں اگر نابینا آدمی کو مردہ انسان کی آنکھیں نکال کر دی جائیں تو اس میں بینائی کے منافع کے مقابلہ میں بے شمار مفاسد اور خطرناک مضرتیں پیش آتی ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیں،

ایک انسان کی آنکھ یا قرنیہ دوسرے انسان کو منتقل کرنے کے خطرناک مفاسد اور شرعی مضرات

۱ ۔ اس سے انسانیت کی توہین ہوتی ہے جب کہ نصوص اور روایات سے انسان کا مکرم ہونا ثابت ہے ۔

۲ ۔ انسان اور اعضاء انسان کا ابتذال اور مستعمل ہونا لازم آتا ہے جب کہ نصوص و روایات سے ثابت ہے کہ انسان اشیاء میں تصرف کرنے والا ہے خود اس میں تصرف نہیں کیا جا سکتا ۔

۳ ۔ مردہ انسان کو ایذا پہنچتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اذی المؤمن فی موتہ کاذاتہ لہٗ فی حیاتہ " (مصنف ابن ابی شیبہ) مومن کی موت کے بعد ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں ۔

۴ ۔ مردہ کو ایذا پہنچانا زندہ کو ایذا پہنچانے کی طرح ہے اس لئے احادیث کی روشنی میں اس فعل ناروا کی وجہ سے وعید کا مستحق ہونا لازم آتا ہے، اس لئے نابینا آدمی کو صبر کی تلقین کی جائے گی ۔ بینائی کی منفعت سے روکا جائے گا ۔

۵ ۔ خطرناک مضرات سے اس کو بچایا جا سکے اور فقہی اصول کے تقاضے برقرار رہیں ۔ نیز زندہ انسان میں اندھے پن کا ضرر ایسا نہیں کہ دنیا سے جانے کے بعد بھی اس کا اندھاپن باقی رہے گا بلکہ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت

میں اسے بینائی دی جائے گی اور اگر یہ مؤمن تھا تو دنیا میں اندھے پن کی وجہ سے جو تکلیفیں برداشت کی ہیں اس کے عوض بڑا اجر ملے گا جنت میں جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا کو بشارت سنائی تھی۔

عن انس رضؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر عوضتہٗ منھما الجنۃ یرید عینیہ (رواہ البخاری بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۳۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اگر کسی بندہ کو دو آنکھیں لے کر آزمایا پھر میرے بندے نے صبر کیا تو ان دونوں آنکھوں کے بدلہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔

لیکن اگر مردہ انسان کی آنکھیں لے کر نابینا کو لگادی گئی ہیں تو دنیا میں چند روز فائدہ اٹھائے گا، لیکن آخرت میں جنت کی بشارت سے محروم قرار دیا جائے گا۔

۶ ۔ اور دوسرے کے اعضاء استعمال کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، گناہ میں اضافہ ہوگا، مردہ انسان کو ایذا دینے کا گناہ تو الگ ہوگا۔

۷ ۔ حق اللہ میں ناجائز تصرف کرنے کا گناہ ۔

۸ ۔ اور تغییر خلق اللہ کرنے کی وجہ سے بھی گناہ ہوگا۔ اب بتائیے کونسا ضرر بڑا ہے دنیا کا ضرر بڑا ہے یا آخرت کا۔

مجوزین حضرات نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ اندھے کو اندھے پن کے علاج سے محروم رکھنا ایک برائی ہے اور اس کیلئے مردہ آدمی کی آنکھیں لینا دوسری برائی ہے چونکہ پہلی برائی زندہ آدمی کا ضرر ہے اور دوسری برائی مردہ آدمی کا ضرر ہے۔ لہٰذا زندہ

آدمی کا ضرر زیادہ شدید ہے۔

دراصل ان حضرات کو اصول شرعیہ کے سمجھنے میں سخت مغالطہ ہوا ہے پھر انہوں نے دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے یہ حضرات پہلے تو ہمیں یہ بتلائیں کہ زندہ آدمی کے لئے اندھے پن کا علاج کرنا فرض ہے یا واجب یا مستحب ہے اگر علاج کرنا فرض یا واجب ہے تو اس کے لئے دلیل چاہیئے اور اگر علاج کرنا مستحب ہے تو امر مستحب کے لئے مکروہ کا ارتکاب بھی جائز نہیں تو فعل حرام یعنی اعضاء انسان کی پیوندکاری اور دوسرے کی آنکھیں نکالنا کیسے جائز اور حلال ہوگا۔ جب کہ اعضاء انسان کا استعمال تو حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ شرح المجلہ اور الاشباہ والنظائر کے حوالوں سے گزرا ہے

اندھے آدمی کے لئے اندھے پن کا علاج کرنا فرض یا واجب نہیں

حقیقت یہ کہ اندھے آدمی کے لئے اندھاپن دور کرنے کے لئے علاج کرنا فرض یا واجب نہیں اگر جائز طریقہ سے ہو تو رخصت اور جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی آنکھوں کے لئے دعا کریں تاکہ ان کا اندھاپن دور ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ آنکھوں کا سوال نہ کیا کرو بلکہ صبر کرو، تمہیں آخرت میں دونوں آنکھوں کے بدلے میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ملے گی۔ صحابی رضؓ نے اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں کے لئے دعا کرنے کی اجازت دی اور یہ بتلایا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرو پھر میرے وسیلے سے دعا کرو آنکھیں درست ہو جائیں گی۔

جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے؛

عن عثمان بن حنیف قال ان رجلاً ضریرًا لبصر اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ادع اللّٰہ ان یعافینی فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فھو خیر لک فقال قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضأ فیحسن الوضوء ویدعوا بھذا الدعاء اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللّٰھم تشفعہ فی۔

(رواہ الترمذی بحوالہ مشکوۃ ص ۲۱۹)

عثمان بن حنیف رضی سے روایت ہے کہ ایک نابینا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میری آنکھیں درست ہو جائیں، آپ نے فرمایا تم چاہو تو دعا کردوں گا، اور اگر تم چاہو صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اس نے عرض کیا آپ دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وضو کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اچھی طرح وضو کرو اور ان کلمات کے ساتھ دعا کرو۔ اللھم انی اسئلک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی لیقضی لی حاجتی ھذہ اللھم تشفعہ فی۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اندھے پن کو دور کرنا فرض یا واجب نہیں، اگر فرض یا واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابی کو اس کا مشورہ نہ دیتے کہ صبر کرو تاکہ جنت مل جائے بلکہ آپ آنکھوں کے علاج کرانے کی تلقین فرماتے، آپ نے آنکھوں کے سوال کو اچھا نہ جانا جس کی وجہ سے آپ نے صبر کرنے کی تلقین فرمائی، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اندھے آدمی کی آنکھوں کا علاج نہ کرنا اس کو آنکھوں سے محروم رکھنا نہیں، کیونکہ جب قدرتی طور پر اس کی آنکھیں نہیں ہیں تو وہ پہلے سے ہی محروم ہے کسی ڈاکٹر یا بینا آدمی نے اسے بینائی سے محروم نہیں کیا

اس میں اس کے ساتھ کوئی ضرر کا معاملہ بھی نہیں ہوا۔ اگر آنکھیں نہ لگانا اس کو محروم کرنا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا کو محروم کرنے کا مشورہ نہ دیتے، البتہ اندھاپن ایک گونہ مرض ہے امراض کو دور کرنے کے لئے حلال اشیاء کے ساتھ دوا کرنا مطلوب و مستحب ہے (کذا فی النووی ص۱۲۵)

اگر کوئی علاج نہیں کرتا صبر کرلیتا ہے اور مریض حالت مرض میں مرجاتا ہے تو اس سے وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی طرح جہاں اور جن مواقع میں بعض حرام دواؤں سے اضطراراً علاج جائز ہے اگر مریض حرام اشیاء سے تداوی نہیں کرتا اور مرجاتا ہے تو گناہ کے بجائے اسے اللہ عزیمت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا ذیل میں اس سلسلہ کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:-

فتاوی قاضی خان میں ہے:-

ولو أن رجلاً ظهر به داء فقال له الطبيب غلب عليك الدم فأخرجه فلم يفعل حتى مات لا يكون آثماً لأنه لم يتيقن أن شفاءه فيه۔ (ص۴۰۹، ج۳)

اگر کسی کو کوئی بیماری ظاہر ہوئی، اور اسے طبیب نے کہا کہ تمہارے اندر خون کا غلبہ ہے خون نکالنے سے صحیح ہوجائے گا، تم خون نکال لو لیکن مریض نے ایسا نہیں کیا اور فوت ہوگیا تو گنہگار نہ ہوگا، کیونکہ شفا کا ہونا ظنی تھا قطعی اور یقینی نہ تھا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

۱۔ مرض أو رمد فلم يعالج حتى مات لا يكون آثماً۔

(ہندیہ ص۳۵۵، ج۵)

کوئی شخص اگر سخت بیمار ہوا یا اس کی آنکھوں میں شدید درد ہو رہا تھا پھر بھی اس نے علاج نہیں کرایا دوا استعمال نہیں کی یہاں تک

کہ مرگیا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

۲ ۔ الرجل اذا استطلق بطنہ أو رمدت عيناه فلم يعالج حتى أضعفهٗ ذالك وأضناه ومات منه لا إثم عليه ۔
(فتاویٰ ہندیہ ص ۳۵۵ ج ۵)

اگر کسی کو بہت زیادہ دست آرہے ہوں یا اس کی دونوں آنکھیں دکھ رہی ہوں لیکن اس نے کوئی دوا استعمال نہیں کی جس کی وجہ سے کمزور ہوا اور انتقال کرگیا تو علاج نہ کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

یعنی کسی شخص کو اگر آنکھوں میں تکلیف ہوگئی یا کوئی اور بیماری پیدا ہوگئی اور علاج نہیں کیا یہاں تک کہ اسی بیماری کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا تو گنہگار نہ ہوگا۔ (کذا فی الخانیہ، ص ۲۰۹)

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ بیماری کا علاج اور آنکھوں کا علاج کرانا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے اگر واجب ہوتا تو ترک علاج سے آدمی گنہگار ہوتا، جب کہ ایسا نہیں ہے۔

علاج بالمحرمات کی ممانعت تو حدیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله انزل الداء و الدواء فتداووا ولا تداووا بالحرام۔
(رواه ابوداؤد ، مشكوة ص ۳۸۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوائیاں دونوں چیزیں پیدا فرمائیں تم علاج تو کرو لیکن حرام سے مت کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث

وسلم عن دواء الخبیث (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۳۸۸) یعنی ناپاک دوا کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے

اس لئے عام حالات میں تداوی بالحرام ناجائز وحرام ہے۔ البتہ حالتِ اضطرار میں جب کہ حرام دوا سے شفا ہونے کا علم ہو تو ایسی صورت میں حدیث عرنیین کی رو سے بعض ائمہ نے تداوی بالحرام کی اجازت دی ہے لیکن انسانی اعضاء سے تداوی وعلاج کی تو کسی نے اجازت نہیں دی بلکہ اعضاء انسان سے تداوی ہر حالت میں حرام وناجائز ہونے کی تصریح موجود ہے۔ جیسا کہ الاشباہ والنظائر ص ۱۰۱، شرح المجلہ ص ۵۵ ج ۱، بدائع الصنائع ص ۱۳۳، قاضی خان، ص ۴۰۴ ج ۵ کے حوالوں سے گزرا ہے، تو مجوزین حضرات کا یہ کہنا کہ " زندہ انسان کے ضرر کو دور کرنے کے لئے مردہ انسان کے اعضا کو اگر زندہ میں لگا دیا جائے تو کیا حرج ہے " نصوص شرعیہ اور روایات فقہیہ سے کھلا انحراف ہے جو گناہ عظیم ہے۔

ایک مفتی صاحب کا مغالطہ اور اس کا جواب

ایک اور مفتی صاحب نے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (اجالا شریعت نمبر ۱۹۸۱ء)

ان مفتی صاحب کو اپنے فتویٰ میں ایک دو نہیں بے شمار مغالطے لگے ہیں اور ترجمہ بھی غلط کیا ہے، قیاس کرتے وقت قیاس کے اصولوں کو نظر انداز کر گئے ہیں، ضرر اور منفعت میں فرق نہیں سمجھے، اشیاء مبتذلہ اور غیر مبتذلہ میں فرق نہیں کر پائے۔

ان مغالطوں میں سے ایک مغالطہ یہ ہے کہ حالت اضطرار اور حاجت دونوں میں تداوی بالحرام جائز ہے جب کہ ایسا نہیں، ضرورت حاجت

میں تداوی بالحرام جائز نہیں ہے۔

موصوف نے حاجت کو اضطرار کے ساتھ لاحق کردیا چنانچہ لکھتے ہیں:

"کوئی آبادی سے دور ہو ہلاکت کا خطرہ ہو تو اسے شراب بقدر ضرورت پینا بالاتفاق جائز ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:

"جب حلال سے علاج میسر نہ ہو تو حرام سے شرائط کے ساتھ علاج جائز ہے۔" (اجالا ص۱۹ شمارہ ۵ اگست ۱۹۸۱ء)

پھر نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

"اعضاء انسانی کی پیوندکاری ضرورت علاج کی بناء پر جائز ہوگی"

موصوف کے دونوں مقدمے غلط ہیں اس لئے نتیجہ بھی غلط ہے کیونکہ مقدمہ صغریٰ موجبہ کلیہ نہیں لہٰذا جمیع افراد کے صحیح نہیں۔ البتہ یہ مقدمہ بعض افراد کے اعتبار سے درست ہے۔ اس لئے موجبہ جزئیہ ہے کیونکہ خوفِ ہلاکت کے وقت بعض محرمات کا استعمال جائز ہے مثلاً شراب، خون کا پینا، خنزیر اور مردہ جانوروں کا گوشت کھانا (دیکھئے مبسوط ص ۴۸ ج ۲۴، بدائع ص۱۷۶، ج ۷، قاضی خان ص۴۰۴، ج ۳، عالمگیری ص۳۵۴ ج ۵)

اور بعض حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں مثلاً کسی انسان کا قتل اس کے اعضاء کی قطع و برید اور معصوم الدم انسانوں کا گوشت کسی کے نزدیک حلال نہیں (دیکھئے التشریع الجنائی ص ۵۶۳ ج ۱، بدائع ص ۱۷۷ ج، قاضی خان ص ۴۰۴ ج ۳، عالمگیری ص ۳۵۴، ج ۵ ملا الاشباہ والنظائر ص۸۶)

اس لئے اعضائے انسانی کے مسئلہ کو دوسری حرام اشیاء پر قیاس کرنا انتہائی درجہ کی جہالت وسفاہت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

پھر دوسرا مقدمہ، کبریٰ کہ جب حلال سے علاج میسر نہ ہو تو حرام سے شرائط مذکورہ کے ساتھ علاج جائز ہے۔

یہ بھی مکمل طور پر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ صحیح نہیں، البتہ بعض اجزاء کے اعتبار سے درست ہے۔ کیونکہ حلال دوا سے اگر علاج میسر نہ ہو تو بعض حرام اشیاء سے شرائط کے ساتھ درست ہے اور بعض حرام اشیاء سے علاج کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے۔ جیسے انسانی جسم اور انسانی اعضاء سے تداوی ہے یہ تو حالت اضطرار میں بھی درست نہیں،

چنانچہ شرح المجلہ ص۵۶ پر ہے:

نوع لا یباح ولا یرخص اصلاً	ضرورت کی ایک قسم یہ ہے کہ
لا بالاکراہ التام ولا بخلافہ	اس میں حرام اشیاء کا استعمال
کقتل المسلم وقطع عضو	کرنا بالکل مباح نہیں جیسا کہ
منہ بغیر حق والزنا وضرب	کسی مسلمان کا قتل کرنا یا ناحق
الوالدین اور الاشباہ والنظائر	اس کا کوئی عضو کاٹ کر الگ
حموی ص ۱۰۸ الاشباہ والنظائر	کرنا، زنا کرنا، والدین کو زد و
للسیوطی ص ۸۶ عالمگیری ص ۹، ۱۴ ج ۳	کوب کرنا۔

بدائع ۱۷۷، جلد ۷ میں بھی ہے۔

چونکہ جناب مفتی صاحب مذکور کے قیاس کے دونوں مقدمے غلط تھے۔ تو اس کا نتیجہ یعنی "لہٰذا اعضاء انسانی کی پیوندکاری بھی نابینا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے جائز ہوگی" غلط ہوگا کیونکہ اضطراری حالت میں بعض حرام اشیاء کے مباح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اعضاء انسانی کی قطع وبرید (جو نصوص وفقہی روایات سے حرام وممنوع ہے) مباح ہو جائے،

لہذا مفتی موصوف کا قیاس اور نتیجہ بالکل غلط ثابت ہوا، جب قیاس اور نتیجہ باطل ہوئے تو اس کے لئے پیش کئے جانے والے قاضی خان، عالمگیری اور دوسری کتابوں کے حوالہ جات بھی بے موقع اور بے محل ہیں بلکہ سرے سے استدلال ہی فاسد ہے۔

فقہاء کرام نے کتب فقہ وفتاویٰ میں انسانی جسم اور اعضاء انسانی کی قطع وبرید اور انسانی اعضاء سے تداوی کو نصوص وروایات کی بناء پر فقہی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات" سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، نیز انسانی جسم واعضاء کی حرمت اور دوسری حرام اشیاء کی حرمت میں فرق کیا ہے کیونکہ انسانی جسم واعضاء میں حرمت کے ساتھ احترام بھی ہے، دوسری اشیا محرمہ میں صرف حرمت ہے۔

ہمیں اس سے تعجب ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف کو مذکورہ بالا صریح جزئیات اور فقہی روایات کے مقابلہ میں قیاس باطل کی جرأت کیسے ہوئی اعضائے انسانی کی حرمت اور دوسری اشیاء کی حرمت کو کیسے برابر قرار دیا۔ ممکن ہے کہ مصلحتِ وقت کی کوئی بات ہوگی۔ ورنہ شریعت اسلامیہ میں ہمیں ایسی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

اعضائے انسان کی پیوند کاری کو انسان کے دودھ پر قیاس کرنا غلط ہے

جناب مفتی موصوف نے اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے اثبات میں دودھ اور خون پر دوسرے اعضاء انسانی کو قیاس کیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"کہ عورت کے دودھ سے علاج کرنا جب اس میں شفا متعین ہے ضرورت کے تحت جائز ہے اور خون کے استعمال کے بارے میں بھی علماء نے فتویٰ دیا ہے۔ لہٰذا قرینہ اور دوسرے اعضاء انسانی کی پیوندکاری کا مسئلہ بھی تداوی بالحرام کے قبیل میں سے ہوا ہے"۔

موصوف کا یہ قیاس بھی فاسد و باطل ہے اس لئے کہ بوقت اضطرار انسان کے دودھ کے علاوہ دوسرے اعضاء سے نفع حاصل کرنے اور اس کی قطع و برید کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جمہور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے (کمافی البدائع ص۱۳۳ ج۴، الاشباہ والنظائر ص۸۷ حموی، الاشباہ والنظائر للسیوطی الشافعی ص۸۴، التشریع الجنائی ص۵۶ ج۱، مبسوط ص۴۸ ج۲۴)

دودھ اور اعضائے انسانی کے درمیان بہت سے فروق موجود ہیں

۱۔ دودھ کے مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس سے علاج بوقت ضرورت جائز ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں، ایک قول ناجائز کا ہے اور ظاہر روایت یہی ہے کیونکہ یہ اجزاء انسان میں سے ہے۔ دوسرا قول جواز کا ہے کیونکہ دودھ کی شریعت نے شیرخوار بچہ کی ضرورت کے لئے اجازت دی ہے۔ کمافی رد المختار ص۱۵۰ جلد ا لہٰذا جب شفا کا علم اور یقین ہو تو اس سے تداوی کی اجازت ہوگی، لیکن اعضاء انسانی کی خرید و فروخت اور علاج کے لئے اس کی قطع و برید کے ناجائز ہونے میں کسی ایک فقیہ کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک دودھ کا مسئلہ دوسرے اعضاء سے مختلف ہے۔ لہٰذا اعضاء انسانی کے مسئلہ کو دودھ پر

قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا نیز یہ کہ مختلف فیہ مسئلہ پر متفق علیہ مسئلہ کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے، اگر جناب مفتی صاحب کے نزدیک جائز ہے تو اس کی دلیل پیش کریں، ہم نے تو اصول کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ فقہاء کرام رحہ مختلف فیہ مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے اس کے ہم شکل متفق علیہ مسئلہ کو نظیر میں پیش کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ یہاں قیاس الٹا کیا جا رہا ہے۔

۲۔ نیز دودھ اور انسانی اعضاء میں بڑے فروق موجود ہیں، یہاں پر چند فروق لکھے جاتے ہیں تاکہ جناب مفتی صاحب کو تنبیہ ہو جائے۔ دودھ انسانی اجزاء میں سے ضرور ہے، لیکن اعضاء میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے انسان کے اندر اخلاط اربعہ صفراء، سوداء، خون، بلغم اور دودھ۔ یہ چیزیں سیّال ہوتی ہیں۔ اور یہ انسان کے اجزاء میں سے ہیں لیکن اعضاء میں سے نہیں، اعضاء مستحکم میں سے نہیں، دیکھئے انسان جب مرجاتا ہے اس کے تمام اعضاء پہلے جس طرح موجود ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی تمام اعضاء موجود رہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ حیات نہ ہونے کی وجہ سے کام نہیں کرتے، بخلاف خون کے، کیونکہ خون جزو مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے پانی بن جاتا ہے اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح دودھ بھی اجزاء میں سے ہوتے ہوئے اعضاء میں داخل نہیں بلکہ دودھ تو ایسے اجزاء میں سے ہے کہ اس کا بدن انسان اور حیوان کے جسم میں رہ جانا بدن کے لئے مضر ہے۔ بعض دفعہ دودھ کو اسی لئے نکالنا پڑتا ہے کہ صحت برقرار رہے اور انسان میں ہو یا جانوروں میں دودھ کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس سے شیر خوار بچہ کی غذائیت میسر ہو تو اس طرح دودھ تو بچوں کے لئے

مدت رضاعت میں مشروب اور غذا ثابت ہوا، جبکہ دوسرے اعضاء کو نہ کسی انسان کی غذائیت کے لئے پیدا فرمایا ہی خرچ کرنے کے لئے لہٰذا جزء مستحکم کو جزء غیر مستحکم پر قیاس کرنا درست نہیں جانوروں میں سے بھی جزء غیر ماکول جزء مشروب پر قیاس کرنا درست نہیں۔

۳۔ نیز دودھ جسم انسانی کے ایسے اجزاء میں سے ہے کہ وہ انسان کے جسم سے نکلنے اور الگ ہونے کے بعد بھی پاک ہے (کذا فی فتح القدیر ص۹۶، جلد ۱، بدائع ص۱۴۵ جلد ۵)

اس وجہ سے دودھ نکالنے کے بعد ناپاک نہیں ہو جاتا، جب کہ دوسرے اعضاء زندہ سے کاٹنے اور بدن سے الگ کرنے کے بعد ناپاک اور نجس ہو جاتے ہیں تو پاک کو ناپاک پر قیاس کرنا غلط ہے۔ یہی قصہ حلال جانوروں کے اعضاء اور دودھ کا بھی ہے، دودھ تو نکالنے کے بعد حلال ہے لیکن زندہ جانور سے کسی عضو کو کاٹنے کے بعد حلال نہیں ہوتا پاک بھی نہیں ہوتا بلکہ نجس ہوتا ہے

۴ دودھ میں حیات ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک دودھ میں حیات نہیں حیات کے اثرات ہوتے ہیں اس لئے حلال جانوروں کے مرجانے کے بعد بھی تھن سے دودھ نکال کر پینا جائز ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک اس میں حیات ہوتی ہے اس لئے مرنے کے بعد مردہ کے اجزاء ہونے کے اعتبار سے اس کا پینا جائز نہیں ہوتا (فتح القدیر ص۹۶ جلد ۱، بدائع ص۱۴۵، جلد ۵)

۵۔ چونکہ خون اور دوسرے اعضاء انسانی میں بہت بڑا فرق موجود ہے اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حمل جب تک خون کا ٹکڑا ہے وہ انسان اور اعضاء کے حکم میں نہیں ایسی صورت میں اگر اسقاط حمل ہو

تو شرعاً یہ حمل جو خون کے حکم میں ہے انسان نہیں، جب انسان نہیں تو اس اسقاط کے بعد جو خون نکلے گا وہ نفاس کا خون نہیں اور حمل میں اعضاءِ انسانی پیدا ہو جانے کے بعد اسقاط ہو جائے تو اس کے بعد نکلا ہوا خون نفاس کے حکم میں ہے۔ (بحر الرائق ص ۲۱۸ ج ۱، بدائع ص ۲۳ ج ۱، ہدایہ ص ۵۴ ج ۱) معلوم ہوا کہ خون اور اعضاء میں بہت بڑا فرق ہے۔

۶۔ نیز حمل جب تک خون کی شکل میں ہو تو ضرورتِ شدیدہ کے وقت اسے گرایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے اعضاء بن گئے تو اس کا گرانا جائز نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون اور دوسرے اعضاء انسانی میں فرق ہے اوصافِ مفارقہ کی وجہ سے قیاس درست نہیں ہے۔

۷۔ انسان کا دودھ تو جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے بچہ کے لئے غذائیت کے طور پر مشروب اور حلال قرار دیا ہے۔ اس طرح خون کا استعمال بھی فی الجملہ جائز تھا۔ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے بعد آپؐ کا خون پی لیا تھا اور آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی، حالانکہ خون انسانی اجزاء میں سے ہے بلکہ پیغمبر کا جزء ہے جب کسی انسان کا عضو خصوصاً پیغمبر کے عضو کا استعمال قطعاً حرام ہے معلوم ہوا کہ خون اور دودھ دوسرے اعضاء انسانی سے کچھ مختلف ہیں اس لئے ان کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔

۸۔ دودھ اور دوسرے اخلاط اربعہ مثلاً صفراء، سوداء، بلغم، خون، انسانی زندگی کے لئے ممد و معاون ضرور ہیں۔ بالفعل اعضاء میں شامل نہیں یہی وجہ ہے کہ تخلیقِ انسان کی ترتیب بیان کرتے وقت قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر

اسے خون کا ٹکڑا بنایا پھر گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیاں بنائی ہیں، پھر ہڈیوں کے اوپر گوشت اور چمڑا چڑھا دیا۔

اس ترتیب سے حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جس طرح نطفہ اور خون کے جوہر و حقیقت میں فرق ہے اسی طرح خون اور گوشت کی حقیقت میں بھی فرق ہے ان فروق کا انکار کرنا حقیقت کا انکار کرنا ہے۔

۹۔ دودھ کو شریعت اسلامیہ نے انسانی جز ہیں سے ہوتے ہوئے ضرورت کے تحت صرف شیر خوار بچہ کے لئے حلال قرار دیا۔ انسانی اجزا میں ہونے کے اعتبار سے حلال نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ قیاس یہی ہے لیکن خلاف قیاس از روئے نصوص شرعیہ دودھ حلال ہے، لہذا دوسرے اعضاء انسانی کو دودھ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

۱۰۔ نیز انسان کو نہ تو انسان کی غذا کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور نہ دوا کے لئے، اس لئے دودھ پر دوسرے اعضاء کا قیاس کرنا درست نہیں

مذکورہ بالا وجوہ سے معلوم ہوا کہ خون اور دودھ پر دوسرے اعضا انسانی کو قیاس کرنا اور اسی قیاس کی بنیاد پر اعضاء انسان کی پیوندکاری کا فتویٰ دینا پرلے درجے کی گمراہی ہے اور حدیث پاک کہ "یہ لوگ فتویٰ دینگے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے" کی وعید شدید کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جناب مفتی صاحب ان حقائق پر غور فرمائیں گے۔

جناب مفتی موصوف نے اعضاء انسانی کی پیوندکاری کو جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ فقہی جزئیات بھی پیش کی ہے۔

۱۔ حاملہ عورت اگر مر گئی اور اس کا بچہ پیٹ میں زندہ حرکت کر رہا

ہے تو فقہاء کرامؒ لکھتے ہیں، پیٹ کی بائیں جانب آپریشن کرکے بچہ کو نکالا جائے گا۔ (بحوالہ رد المختار ص۲۳۸ جلد ۱، فتح القدیر ص۴۷۲ جلد ۱)

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کا دینار نگل لیا اور مر گیا، مال بھی نہیں چھوڑا تو دینار کو نکالنے کے لئے اس کے پیٹ کو چاک کرنے میں دو روایات ہیں۔ ایک روایت جواز کی ہے، لہٰذا پیٹ کو چاک کرکے دینار کو نکال لیا جائے گا۔

۳۔ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی تھی۔ ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ جب مردہ انسان کے ضرر سے زندہ انسان کا ضرر زیادہ ہے تو مردہ انسان کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا۔ نیز ضرورت کے موقع پر حرام شئی مباح ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کا سونے کی ناک بنوانا ہے۔

ان جزئیات کی پوری تشریحات اور اس سے پیدا ہونے والے شبہات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حاملہ عورت جو مر گئی ہے اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہونے کا علم حرکت کرنے سے ہوا ہے، لہٰذا مردہ ماں کے پیٹ کو آپریشن کرکے بچہ کو نکالا جائے گا۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ ایک وجہ تو یہ کہ انسان یعنی بچہ کا زندہ رہنا اور اس کی حیات سبب ظاہری کے اعتبار سے مردہ ماں کے پیٹ کے آپریشن کرنے پر موقوف ہے دیگر یہ کہ یہ حق کسی عام انسان سے متعلق نہیں بلکہ خود بچہ کی ماں سے متعلق ہو گیا جو کہ ماں کے اجزاء میں سے ہے اور فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ ایک انسان کے اپنے جسم میں سے کسی حصہ کا کاٹنا تاکہ دوسرے حصوں کی

حفاظت ہو جاتے جائز ہے۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہے، ماں کے اجزاء میں سے ہے، جانیں دو ہیں جسم ایک ہے، یہاں فقہا نے لکھا ہے کہ اگر دونوں جانیں زندہ ہیں تو ان میں سے کسی ایک جان کو خطرہ ہو تو اس کی حفاظت کے لئے دوسری جان کو ضائع کرنا درست نہیں۔ مثلاً ایام ولادت کے موقع پر اگر ماں کی جان کا خطرہ ہو اور بچہ کو ضائع کرنے میں ماں کی جان بچ جانا متوقع ہو تو ماں کی جان بچانے کی غرض سے بچہ کی جان کو ضائع کرنا اور اس کی قطع برید جائز نہیں ہے نہ ہی بچہ کی جان بچانے کے لئے ماں کی جان کو ضائع کرنا اور اس کی قطع و برید درست ہے ہاں دونوں جانوں میں ایک جان اگر پہلے ضائع ہو گئی۔ مثلاً بچہ کا انتقال ماں کے پیٹ میں ہو گیا اور ماں کی حیات اس پر موقوف ہے کہ مردہ بچہ کے جسم کی قطع و برید کر کے نکالا جائے تو مردہ بچہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جائے گا۔ تاکہ ماں کی جان کو بچایا جائے اسی طرح اگر ماں کا انتقال ہو گیا لیکن بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ ہے اور اس کی حیات ماں کے پیٹ کو چاک کرنے اور کاٹنے پر موقوف ہے تو ماں کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ کو بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ (کما فی رد المحتار)

حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الايسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لو ميتا والا لا۔ (رد المحتار صـ۶۰۲ جلد۱)

لیکن یہ مسائل اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے مسئلہ سے بہت مختلف ہیں۔ کیونکہ حمل اور ماں کے درمیان جزئیت وبعضیت کا تعلق ہے دوسرے انسان میں یہ بات نہیں ہے اس لئے ان مسائل پر

بہ تمام انسانوں کے مسئلہ کو قیاس کرنا جب کہ صریح حدیث اور فقہا کی تصریحات موجود ہیں قیاس فاسد ہے اور انسان وانسانی اعضاء کی قطع و برید کے جواز پر علی الاطلاق فتویٰ دینا اجتہاد باطل ہوگا۔

علاوہ ازیں یہاں پر بچہ کی جان چلی جانا ضرر خاص ہے۔ اسی طرح ماں کے پیٹ کا آپریشن کرنا یہ بھی ضرر خاص ہے۔ لیکن یہاں پر ایک ضرر جو آپریشن کا ہے جان ضائع ہونے کے ضرر کے مقابلہ میں چھوٹا ہے تو قاعدہ کے مطابق ضرر اکبر کے مقابلہ میں ضرر اصغر کو اختیار کیا جائے گا۔ اسی طرح کسی نے دوسرے آدمی کا دینار نگل لیا ہے پھر یہ شخص مرگیا اور کوئی مال نہیں چھوڑا اور صاحب حق معاف بھی نہیں کرتا، تو اس مردہ آدمی کے پیٹ کو چاک کرکے دینار نکال کر صاحب حق کو حق دیدیا جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے کا حق خواہ جانی ہو یا مالی کسی شخص سے متعلق ہو اور وہ شخص مرگیا لیکن ادائے حق کی کوئی صورت نہیں چھوڑی، آپریشن کرنے سے حق مل سکتا ہے تو ایسی صورت میں آپریشن جائز ہوگا۔ یہ چیر پھاڑ لحق الغیر ہے جو اس مردہ سے متعلق ہے اور مردہ پر آرہا ہے لیکن اعضاء انسان کی پیوندکاری کا مسئلہ کسی فرد انسان کے جانی حق، مالی حق کے وصول کرنے کے لئے نہیں بلکہ بقول مجوزین انسانی ہمدردی اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے، پہلے مسئلہ کا تعلق واجب الادا حق سے ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے جو کسی شخص پر واجب نہیں ہے۔ لہذا حق واجب پر حق غیر واجب کو قیاس کرنا غلط ہے۔

دینار کے مسئلے میں ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ حق ادا نہیں کرتا، پیٹ کا آپریشن کرکے دینار کو نکالا نہیں جاتا تو ایک انسان کے مالی حق کے

ضیاع کی بنار پر مردہ شخص جہنم میں جا سکتا ہے اور جہنم کی سزا اور عذاب کے مقابلے میں دنیا میں آپریشن کا ضرر کچھ بھی نہیں ہے ۔ لہذا قرنیہ کا مسئلہ اور دوسرے اعضاء انسان کی پیوند کاری کے مسائل کو ان جزئیات فقہیہ پر قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ کسی مردہ انسان پر نابینا کا نہ کوئی جانی یا مالی حق ہے اور نہ ہی مردہ انسان کے قرنیہ نہ دینے سے کوئی ایسا ضرر لازم آرہا ہے جس کا شرع نے اعتبار کیا ہے نابینا کی آنکھ نہ لگنے سے کسی کی جان نہیں جا رہی نہ ہی کوئی عضو جو اس کے پاس ہے ضائع ہو رہا ہے ۔ لہذا کوئی اضطراری کیفیت بھی نہیں ہے ۔ جبکہ انسانی اعضاء سے تداوی تو حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں ہے ۔

باقی رہا سونے کی ناک بنانے کے بارے میں حضرت عرفجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اجازت دی گئی تھی وہ اضطراری کیفیت کی بنار پر تھی ۔ ناک کے ماؤف حصہ میں مصنوعی ناک نہ بنانے سے پورا حصہ متاثر ہو رہا تھا تو ضرورتِ اضطرار کی بنار پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے چاندی کی ناک بنانے کو فرمایا ، پھر جب دیکھا ناک کی الائش وغیرہ سے چاندی کی ناک متاثر ہو رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا ، سونا اور چاندی کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے ، مردوں کے لئے ناجائز ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطراری حالات کے تحت مرد کے لئے بھی اس کی اجازت دی ہے ۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تداوی بالحرام کی اجازت تو دیدی ، لیکن انسانی ہمدردی کے تحت یہ نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی نے تذکرہ کیا کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے لئے امداد باہمی کا فنڈ اور

بینک قائم کیا جائے، زندہ یا مردہ انسانوں کے اعضاء لے کر زندہ انسانوں کا علاج کیا جائے۔ جب کہ انسانی جسم کے ساتھ مصنوعی اعضاء کے فٹ کرنے کے مقابلہ میں انسانی اعضاء کو فٹ کرنے کا مسئلہ بہت آسان ہوتا ہے، اس زمانے میں موجودہ سرجری کا سلسلہ شاید نہ ہو لیکن چاندی اور سونا کی ناک بنوانے کا سلسلہ جو اس سے زیادہ مشکل ہے اس کا وجود تو تھا۔

ممکن ہے کہ کوئی وہمی آدمی یہ وہم کرے کہ فن طب کی اس زمانہ میں اتنی ترقی نہ تھی جس طرح موجودہ زمانہ میں فن طب نے ترقی کی ہے لہٰذا اعضاء انسان کی پیوندکاری کی ضرورت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب و وسائل نہ ہونے کی بنا پر اس کی ہدایت نہ کی ہوگی۔ اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ اعضاء انسانی کی پیوندکاری کی ضرورت و حاجت جس طرح آج ہے اس زمانہ میں بھی تھی۔ لولے لنگڑے، اندھے، کانے اس زمانہ میں بھی تھے، لیکن آپؐ نے شارع ہونے کے باوجود اس ضرورت کے ازالہ کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ اس وقت اسباب نہ ہونے کی بنا پر یہ اعضاء کی پیوندکاری نہیں ہو سکتی اگر اسباب و آلات میسر ہو جائیں تو کر لیا جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس ضرورت کا احساس تھا اس لئے آپؐ نے اشیاء محرمہ میں سے سونا اور چاندی لگوانے کی اجازت تو دیدی لیکن انسانی اعضاء کی حرمت و احترام کی خاطر پیوندکاری کا علاج تجویز نہیں فرمایا اور فرمایا کہ انسان زندہ اور مردہ دونوں حالت میں قابل احترام ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنا اور فرمایا مردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسا کہ زندہ انسان کو ایذا دینا۔ اس لئے حدیث مذکورہ میں حضرت عرفجہؓ کے سونے کی ناک بنوانے پر اعضاء انسانی کی

پیوندکاری کو قیاس کرنا قیاس باطل ہے۔ جب کہ اس سے قبل اصول فقہ کے قواعد اور فقہی جزئیات سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ تداوی او علاج کے لئے کسی دوسرے آدمی کے اعضاء کی قطع و برید کسی حال میں بھی جائز نہیں اور اس میں مسلمان و کافر برابر ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کے اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں ہے اسی طرح کافروں کے اعضاء کی پیوندکاری بھی درست نہیں۔ ہدایہ ص۱۴ جلد ا، عنایہ ص۱۲۵، کتاب الام ص۵۵ جلد ا، عالمگیری اور قاضی خان کے حوالہ سے بحث گزرچکی ہے، البحر الرائق اور شرح منیہ کے دو حوالے اور ملاحظہ فرمائیں:

وفی الواقعات عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتی لا تكسر لأن الذمی لما حرم آذاه فی حياته لذمته فتجب صيانة نفسه عن الكسر بعد موته۔ (البحر الرائق ص۱۹۵ جلد ۲، قاضی خان ص۱۹۵ جلد ا، شرح منیہ ص۶۰۰)	کتاب واقعات میں ہے کہ یہودیوں کی ہڈیوں کو ایک گونہ حرمت و عظمت حاصل ہے لہذا اگر ان کی قبروں میں سے ہڈی مل جائے، (اس کا احترام کرنا چاہیے) کیونکہ ان کی ہڈیوں کی حرمت بھی مسلمانوں کی ہڈیوں کی طرح ہے اس لئے کسی یہودی کو جس طرح عہد ذمیت کی بنا پر اس کی زندگی میں ناحق ایذا اور تکلیف دینا ناجائز اور حرام ہے مرنے کے بعد بھی اس کو ایذا اور تکلیف دینا حرام ہے پس ضروری ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کو توڑنے سے احتراز کیا جائے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ مردہ اور زندہ انسان دونوں کا احترام ضروری ہے اور جس طرح زندہ آدمی کے احترام کی وجہ سے اس کی ہڈی توڑنا جائز نہیں ہے اسی طرح مردہ آدمی کے احترام کی خاطر اسکی ہڈی توڑنا بھی ناجائز ہے اور اس میں بحیثیت انسان مسلمان اور کافر سب برابر ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مسلمان آدمی کی حرمت وکرامت غیر مسلم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، پھر جب انسان کی ہڈیوں کا توڑنا ناجائز ثابت ہوا تو دوسرے اعضا کا کاٹنا بھی ناجائز ثابت ہوا۔

ایک وہم اور اس کا جواب

بعض اہل علم اور اہل دانش کو یہ شبہ ہوا کہ شریعت میں ایثار اور ہمدردی کی بڑی فضیلت اور اس کی ترغیب آئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا عملی ثبوت دیا ہے، اس کی کئی ایک نظائر موجود ہیں، مثلاً

۱۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت جنگ میں زخمی ہونے کی حالت میں بلکہ جان کنی کی حالت میں تھی لیکن ہر صحابی اپنی پیاس بجھانے کی جگہ دوسرے کی پیاس بجھانے کی فکر میں تھا۔ ہر ایک نے دوسرے کو ترجیح دیتے ہوئے جان دیدی بالآخر کسی کو پانی پینے کی نوبت نہیں آئی اور سب شہید ہوگئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

۲۔ غزوہ احد میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھے۔ جب دشمن آپ پر حملہ آور ہونے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کی غرض سے خود ڈھال بنے ہوئے تھے سب تیر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر لگ رہے تھے، بالآخر حضرت مصعب ابن عمیر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور آپؐ کو بچانے کی غرض سے دشمنوں کے تیروں کے سامنے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ حضرت ابوطلحہ رضی کو ستر سے زیادہ تیر لگے اور آپؓ زخموں سے چور چور ہو گئے اور آپؓ کا ہاتھ شل ہو گیا۔

۴۔ تقریباً یہی واقعہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔

ان واقعات کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہیکہ ایک انسان کی جان بچانے کی غرض سے دوسرا انسان اپنے جسم و اعضائے سے قربانی دے سکتا ہے وہ اپنے جسم کو یا اعضا میں سے کوئی عضو دے کر دوسرے انسان کی مدد کر سکتا ہے اور یہ نہ صرف گناہ نہیں بلکہ ثواب کی چیز ہے۔

وہم اور شبہ کا جواب

(انسانی ہمدردی اور ایثار و قربانی کے تحت ایک انسان کی جان بچانے کی غرض سے دوسرا انسان اپنے جسم و اعضا میں سے کوئی عضو دے سکتا ہے یا نہیں یہ اس پر موقوف ہے کہ انسان جسم و اعضا کا مالک ہے یا نہیں جیسا کہ وہ اپنے مال اور اپنی جائیداد کا مالک ہونے کی وجہ سے اس میں دوسرے کے لئے ایثار اور ہمدردی کر سکتا ہے۔)

گزشتہ صفحات میں ہم نے دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر آئے ہیں کہ انسان اپنے جسم و اعضا کا مالک نہیں۔ اور وہ اس میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کو فروخت، ہبہ اور اس کی وصیت نہیں کر سکتا کیونکہ ایثار اور قربانی اپنی ملکیت میں تو چلتی ہے دوسرے کی ملکیت میں نہیں۔

ایک شخص ایثار و ہمدردی کے طور پر اپنے پڑوسی اور کسی رشتہ دار کی کوئی چیز نہ صدقہ کر سکتا ہے اور نہ ہبہ اور نہ ہی اس کی وصیت کر سکتا ہے مگر یہ کہ مالک خود اگر اجازت دیدے تو پھر اس کی اجازت ہو جائے گی گناہ نہ ہوگا۔

انسان کا جسم اور اس کے اعضا اللہ تعالیٰ کی جانب سے امانت ہیں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات کے تحت استعمال کر کے خود نفع حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن اس میں سے کسی بھوکے اور ضرورت مند کو کھلا دینا یا اسے کاٹ کر کسی کی جان بچانا جائز نہیں۔

البتہ صحابہ کرام کے جو واقعات ذکر کئے گئے ان میں سے پہلا واقعہ غزوۂ یرموک میں پیش آیا تھا، اور اس واقعہ میں ہر صحابی کا دوسرے صحابی کو پانی پینے کے لئے ترجیح دینا تو ثابت ہے لیکن کسی صحابی کا دوسرے صحابی کے لئے جان دے دینا ثابت نہیں، کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدانِ جہاد میں اللہ کی راہ میں (اعلاء کلمۃ اللہ) دین کی سربلندی کے لئے لڑ رہے تھے اور لڑتے لڑتے اللہ کی راہ میں شہید ہوتے، زخموں سے چور چور ہوئے جان کنی کی حالت میں تھے جام شہادت پینے کے انتظار میں تھے اور سب اس بات کے مشتاق تھے کہ روح قفس عنصری سے کب جدا ہوتی ہے۔

شہادت کے بدلے جنت میں پہنچنے کا موقع کب ملتا ہے اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیوی پانی کے پیالہ کے مقابلے میں آخرت کے جام شربت گھوم رہے تھے کیونکہ حدیث شریف میں ہے، "شہید جان نکلنے سے قبل آخرت میں اپنے ٹھکانہ اور اس کے آرام و راحت کے سامان کو دیکھ لیتا ہے"۔

تو ان کو وقتی طور پر اگرچہ پانی کی پیاس تھی لیکن چند منٹوں کی پیاس قربان کر کے وہ آخرت کا زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کتب حدیث و فقہ میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ میدان جہاد میں قتل اور زخمی ہونے کے بعد جس مقتول اور زخمی نے کھانے پینے اور نیند کے ذریعہ دنیوی فائدہ حاصل نہیں کیا اس کی فضیلت زیادہ ہے اس کو بلا غسل نماز جنازہ کے بعد دفنایا جائے گا اور جس زخمی نے کھانے پینے، نیند یا دوسرے طریقہ سے فائدہ حاصل کیا ہے تو اس کی فضیلت کم ہے لہذا

اس کو غسل دے کر نماز جنازہ کے بعد دفنایا جائے گا تو حقیقت میں یہ حضرات اپنے لئے وقتی فائدہ حاصل کرنے کی جگہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔

اور یہ بات قطعاً نہ تھی کہ انہوں نے پانی پینا چھوڑ کر دوسرے کے لئے جان دیدی بلکہ وہ تو اللہ کی راہ میں قتال کر کے دشمن کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور اللہ کی راہ میں قتل ہو کر جان دیکر شہادت کی فضیلت حاصل کی لہٰذا اس واقعہ میں کہیں ایسا نہیں ہوا کہ کسی صحابی نے اپنے جسم یا اپنے اعضا میں سے کوئی عضو دوسرے صحابی کی جان بچانے کے لئے دیا ہو بلکہ انہوں نے اگر ایثار کیا ہے تو پانی پینے کا جو حق پہلے صحابی کو حاصل تھا، اس نے اپنے حق کو دوسرے صحابی پر ایثار کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے، دوسرے نے تیسرے کے لئے چھوڑ دیا ہے جس سے ان کو زیادہ سے زیادہ ثواب بھی ملا اور ایثار بھی ہو گیا۔

باقی رہا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور انکی قربانیاں یہ بھی درحقیقت کسی انسانی جان بچانے کا مسئلہ نہ تھا بلکہ یہ حضرات صحابہ کرام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے میدان اُحد میں حاضر ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "یاایھا النبی حرض المومنین علی القتال" "اے نبی! مومنوں کو قتال پر ابھارو" کے تحت اللہ کے دشمنوں سے لڑنے گئے تھے۔

اور روئے زمین سے کفر و شرک کے فتنے کو ختم کر کے اللہ کے نام کی سربلندی اور اس کے نام کو غالب کرنے کی غرض سے میدان جہاد میں حاضر ہوتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله۔	کفار سے لڑو اس وقت تک کہ زمین پر کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور پورا دین اللہ کا ہو جائے۔

اور قتال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا کام کسی عام انسان کو بچانے کا مسئلہ نہ تھا بلکہ آپؐ کی ذات کے ساتھ پورے دین کے مسائل وابستہ ہونے کی وجہ سے آپؐ کی ذات کی حفاظت کا عمل کسی عام انسان کی زندگی بچانے کا عمل نہیں ہے بلکہ پوری امت اور پورے دین کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دانشور اور اہل علم طبقہ، دین اور تاریخ کا مطالعہ تو کرتے نہیں، اگر کرتے ہیں تو دینی ذہن سے نہیں بلکہ اپنے مفروضے مقدمات اور مسائل کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔

بندہ نے جو معروضات پیش کی ہیں ان کے ثبوت کے لئے امید ہے کہ علامہ ابواسحاق الشاطبی کی تصنیف "الموافقات" کے مندرجہ ذیل حوالے کافی ہوں گے۔

چنانچہ علامہ ابواسحاق حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے دشمن کے تیروں کے سامنے کھڑے ہونے اور اپنے جسم کی قربانی دینے کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وحیاة ابی طلحة حیاة شخص وحیاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیاة امة (ج ۲، ص ۳۶۹)	ابوطلحہؓ کی زندگی ایک شخص کی زندگی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری امت کی زندگی کا مسئلہ تھا۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

وفی قصة ابی طلحة انه کان وقی بنفسه من یعم بقائه مصالح الدین و اهله وهو النبی	ابوطلحہؓ کے واقعہ میں اس نے اپنے جسم و جان کے ذریعہ ایسی ذات کی حفاظت کی جس کی بقاء سے پورا دین اور اہل دین

صلی اللہ علیہ وسلم
وأما عدمہ فتعم
مفسدة الدین واهله۔
(ص ۳۷۰، ۲۲)

کے عام فائدے وابستہ تھے
اور جس کے نہ ہونے میں دین او
اہل دین کے لئے فتنۂ عام کا اندیشہ
تھا۔

یعنی ابو طلحہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے ایثار کرنا صرف کسی عام انسانی جان کی حفاظت کے لئے نہ تھا بلکہ صاحب دین اور تمام اہل دین کی حفاظت کے لئے تھا۔

اسی طرح حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابو دجانہ کا حال ہے بلکہ جتنے صحابہ کرامؓ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں شہید ہوئے اور جان دیدی انہوں نے کسی انسانی ہمدردی کے لئے جان نہیں دی بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے حکم کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کے دین کو غالب کرنے کے لئے جان دی ہے اور شہید ہوئے ہیں۔

لہٰذا صحابہ کرامؓ کے میدان جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں جان دیدینے کو کسی عام انسان کی جان بچانے کی خاطر دوسرے انسان کے جسم یا اعضاً کے دینے پر قیاس کرنا باطل اور بہت بڑی بے دینی اور خطرناک جہالت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

حدیث عبادة بن الصامت " من تصدق بشئی من جسده الخ کے معنی سمجھنے میں علماً کا وہم اور اس کا شرعی ازالہ :۔

چنانچہ اس سلسلہ میں دارالافتاء دارالعلوم کورنگی کراچی کے توسط سے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہٗ کا ایک خط ہمیں موصول ہوا ہے۔ دوسرے علماء کی تحقیق کے لئے اس کو شائع کرنا پھر ہماری جو تحقیق اور فیصلہ ہے اس کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اس خط اور اس کے جواب کو بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

محترم المقام حضرت مولانا محمد رفیع صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دو تین دن پہلے ایک ترکی عالم سے ملاقات ہوئی انہوں نے "ترقیع باعضاء الانسان" کے بارے میں دریافت کیا، میں نے عرض کر دیا کہ جائز نہیں ہے انہوں نے کہا کہ جامع صغیر میں ایک حدیث ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے حسن لکھا ہے۔ اس سے نہ صرف جائز بلکہ مستحب معلوم ہوتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"من تصدق بشئی من جسدہ اعطی بقدر ما تصدق"

(جامع صغیر جلد ۲، ص ۱۶۹) پھر فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں دیکھا، انہوں نے حدیث کے دو مطلب بتلاتے ہیں۔ میں نے ان کے سامنے پیش کیے انہوں نے کہا کہ اس تاویل کی ضرورت اس وقت تھی جب ترقیع کی صورتیں رائج نہیں تھیں۔ اب جب کہ حقیقی معنیٰ لئے جا سکتے ہیں۔ تو کیوں تاویل کی جائے۔ صاحب فیض القدیر نے علامہ ہیثمیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں بھی مروی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو فیض القدیر جلد ۶، ص ۱۰۶، سب کے مشورے سے یہ طے پایا تھا کہ اعضاء انسانی سے پیوند کاری جائز نہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد رسالہ لکھ دیا تھا۔ لیکن اب یہ

حدیث سامنے آئی ہے کسی مجلس میں اس کو رکھیں مسند احمد میں حضرت عبادۃ بن الصامت رضی کی مرویات نکال لیں، پھر فتح الربانی فی ترتیب مسند امام احمد بن حنبل رح الشیبانی میں نکال لیں، اور مجمع الزوائد میں بھی نکال دیں، مزید غور ہو کر مطبوعہ رسالہ کا ضمیمہ بن جائے تو بہتر ہے۔ بنام مولانا سبحان محمود و مولانا محمد تقی صاحب و مولانا ولی حسن صاحب و مولانا رشید احمد صاحب سب کی خدمت میں ایک ایک فوٹو کاپی بھیج دیں والسلام، محمد عاشق الٰہی عفی عنہ منورہ

خط اور شبہ کا جواب۔

اعضا انسانی کی پیوندکاری کے متعلق علماء کی تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے لیکن بعض علماء حضرات کو اس حدیث سے کچھ اشکال پیش آیا جس کو علامہ سیوطی رح سمیت دیگر ائمہ حدیث نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کو قابل عمل گردانتے ہوئے حسن بھی کہتے ہیں، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

من تصدق بشئ اُعطی	جس نے اپنے جسم سے کچھ صدقہ
بقدر ما تصدق۔	کیا۔ اس کو اس کے بقدر اجر
(الحدیث جامع الصغیر ص۱۶۹، جلد ۲)	دیا جائے گا۔

صاحب فیض القدیر نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ پہلا مطلب تو یہ کہ کسی پر کسی شخص نے جنایت کردی۔ جیسا کہ مثال کے طور پر اس کا کوئی عضو کاٹ دیا یا اس کی کسی منفعت کو ختم کر دیا، پس اس مظلوم نے خالص اللہ کے واسطے اس کو معاف کر دیا۔ تو وہ عنداللہ اس جرم کو معاف کرنے کی مقدار ثواب کا مستحق ہوگا جب کہ دوسرے مطلب کا بھی احتمال ہے کہ یہاں صدقہ کہنے سے یہ مراد ہو کہ جس نے اپنے اعضا بدن سے نیک اعمال انجام دیئے، جیسے مثال کے طور پر

کسی نے اپنے ہاتھ سے راستہ میں پڑی ہوئی کوئی چیز ہٹادی تو اس کو اس کے مطابق ثواب ملے گا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

يعني من جنى عليه إنسان وإن قطع منه عضواً او ازال منفعةً فعفا عنه لوجه الله أثابه الله تعالىٰ عليه بقدر الجناية ويحتمل ان المراد بالتصدق بذالك ان يباشر بعض الطاعة ببعض بدنه كان يزيل الاذى عن الطريق بيده فيثاب بقدر ذالك ۔ اخرج ابن سعد عن الربيع بن خثيم انه كان يكنس الحش بنفسه فقيل له انك تكفى هذا قال انى احب ان آخذ نصيبي من المنة ۔ (فیض القدیر صفحہ ۱۰۶، جلد ۶)

ایک شخص پر کسی نے جنایت کی جب کہ اس کا کوئی عضو کاٹ دیا، یا اس کی کوئی منفعت ضائع کردی پس اس شخص نے اس کو اللہ کی خاطر معاف کردیا تو اللہ اس کو معاف کرنے کے بقدر ثواب عطا کریگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد یہ ہو کہ انسان بعض نیک اعمال اپنے اعضاء بدن سے انجام دے، جیسا کہ راستہ سے ایذا دینے والی چیز —— ہٹادی تو اس کو اس کے بقدر ثواب ملے گا، چنانچہ ابن سعد نے ربیع بن خثیم سے نقل کیا ہے کہ وہ کچرا خود صاف کیا کرتے تھے ان کو کہا گیا کہ آپ اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں محنت سے اپنا حصہ حاصل کروں ۔

اسی طرح علامہ ہیثمیؒ نے اس حدیث کو باب "ماجاء فی العفو عن الجانی والقاتل" کے تحت ذکر کیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس حدیث کا تعلق اعضائے انسانی کی پیوندکاری سے نہیں بلکہ اس کا تعلق جنایات کو معاف کرنے کے باب سے ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے جرم سرزد ہونے کی صورت میں بدلہ لینے کے بجائے معاف کردینے کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ علامہ ہیثمیؒ نے اس باب کے تحت دیگر احادیث بھی نقل کی ہیں۔

عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل يجرح في نفسه جراحة فيتصدق بها الا كفر الله تبارك وتعالى عنه مثل ما تصدق به. رواه احمد ورجاله رجال الصحيح.	حضرت عبادۃ بن الصامتؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کے جسم میں کسی کی طرف سے کوئی زخم لگ جاتا ہے اور وہ اس کو معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صدقہ کے بقدر اس کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ امام احمدؒ نے اس کو روایت کیا اور اس حدیث کے سب راوی صحیح ہیں
وعن رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال من اصيب	ایک صحابیؓ آپؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے جسم میں کوئی گزند پہنچے اور وہ اللہ

في جسده بشيء
فتركه الله عز وجل
كان كفارة له۔ رواه
احمد وفيه مجالد وقد
اختلط۔

وعن عدي بن ثابت
قال هشم رجل فم
رجل على عهد معاوية
فاعطى ديته فابى
ان يقبل حتى اعطى
ديته فابى ان يقبل
حتى اعطى ثلاثا فقال
رجل اني سمعت رسول
الله صلى الله عليه
وسلم يقول من تصدق
بدم او دونه كان
كفارة له من يوم ولد
الى يوم تصدق۔
رواه ابو يعلى ورجاله
رجال الصحيح غير
عمران بن ظبيان

تعالیٰ کے لیے اس کو چھوڑ دے
(بدلہ نہ لے) تو اس کے گناہوں
کا کفارہ ہوگا امام احمد نے اس
کو روایت کیا۔ اس کی سند میں
مجالد ہے جو کہ مختلط ہے۔

عدی بن ثابت رضی سے روایت
ہے کہ حضرت معاویہ رضی کے زمانے
میں ایک آدمی نے دوسرے کے
منہ کو زخمی کر دیا اس کی دیت دی
گئی لیکن زخمی آدمی نے دیت لینے
سے انکار کیا، یہاں تک کہ تین مرتبہ
دیت پیش کی گئی، ہر دفعہ اس نے
انکار کیا۔ اور اس شخص سے کہا کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ جس نے جنایت کا خون یا اس
سے کم جنایت کا خون معاف کیا تو
اس کا معاف کرنا اس کی پیدائش
کے روز سے معاف کرنے کے روز
تک کے گناہوں کے لئے کفارہ بنے
گا۔ ابو یعلیٰ نے اس کو روایت کیا

وقال فیہ ضعف وقد وثقہ ابن حبان۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للھیثمی ص۳۰۲ ج۶)	ہے اور اس کے رجال سب صحیح ہیں۔ البتہ عمران بن ظبیان کو ضعیف کہا گیا ہے۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے

عبادۃ ابن الصامت کی روایت مذکورہ اور عدی بن ثابت کی یہ دونوں واضح اور تفصیلی حدیثیں حضرت عبادۃ ابن الصامت کی اس اجمالی حدیث کی شرح اور تفصیل بن سکتی ہے۔ جس میں صرف "تصدق من جسدہ" کے الفاظ ہیں اور محدثین کا مسلمہ اصول ہے۔ "الحدیث بعضہ یفسر بعضاً" لہٰذا حدیث کا اصل وہی مطلب لیا جائے گا جس سے دوسری حدیث کے ساتھ تطبیق ہو سکتی ہو جبکہ تمام محدثین اور شارحین حدیث نے اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ کہ تصدق سے مراد جنایت کو معاف کرنا ہے، جسم کو کاٹ کر کسی کو دینا ہرگز مراد نہیں، سورۃ مائدہ میں جہاں قصاص کی بحث ہے وہاں بھی اس قسم کا مضمون ہے۔ جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مفہوم اس حدیث کا شارحین نے بیان کیا ہے۔ وہ اس کا حقیقی مفہوم ہے تاویل نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے کہ مذکورہ حدیث کا تعلق اعضاء انسان کی پیوندکاری سے ہے۔ جب کہ کتب حدیث کی مراجعت کے بعد بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق جنایات کو معاف کرنے کی ترغیب کے باب سے ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت "فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ" اپنے مضمون میں اس حدیث سے ملتی جلتی ہے

تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں تحریر ہے۔ کہ اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو یا دانت توڑ دیا گیا ہو یا بدن کا کوئی اور حصہ زخمی کر دیا گیا ہو اور وہ اس کو معاف کر دے تو اس کے اسی قدر گناہ معاف ہوں گے۔ پس اگر اس کے بدلے وہ

چوتھائی دیت کا مستحق تھا اور اس نے وہ ربع دیت معاف کردی تو اس کے ایک چوتھائی گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ مکمل دیت کا مستحق ہے اور اس نے معاف کردیا تو اسی کے بقدر اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

اخرج ابن مردویہ عن رجل من انصار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ (فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہٗ) قال ھو رجل یکسر سنہ او یقطع یدہ او یقطع شیٔ منہ او یجرح فی بدنہ فیعفو عن ذالك فیحط عنہ قدر خطایاہ فان کان ربع الدیۃ فربع خطایاہ وان کان الثلث فثلث خطایاہ وان کانت الدیۃ حطت عنہ خطایاہ کذالك۔

ابن مردویہ نے ایک انصاری کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے (فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہٗ) کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا دانت توڑ دیا گیا ہو یا ہاتھ یا کوئی اور حصہ کاٹ دیا گیا ہو یا اسکو زخمی کردیا گیا ہو اگر وہ معاف کردے تو اللہ اسی کے بقدر اسکے گناہ ساقط کردیتا ہے اگر اس نے چہارم دیت معاف کردی ہوگی تو اسکے گناہوں کا چہارم حصہ ساقط کردیا جائیگا اور اگر ایک تہائی دیت معاف کی ہوگی تو گناہوں کا ایک تہائی حصہ ساقط کردیا جائےگا اور اگر پوری دیت معاف کی ہوگی تو پورے گناہ ساقط کردیئے جائیں گے

اس کے بعد زیر بحث حدیث شریف نقل کی اور ترمذی کے حوالہ سے ایک اور

حدیث نقل کی جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث " من تصدق من جسدہ" کا تعلق جنایات کے باب سے ہے۔ "ترقیع باعضاء الانسان " سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ کہنا کہ شارحین نے اس کے جو مطلب بیان کئے ہیں وہ تاویل ہے جب کہ اس کا حقیقی معنیٰ "اعضاء انسانی کے عطیہ کرنے سے ہے" درست نہیں بلکہ بغیر دلیل کے ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وروی الترمذی	ترمذی اور ابن ماجہ میں ابودرداءؓ
وابن ماجة عن ابی	کے حوالے سے یہ حدیث مروی
الدرداء قال سمعت	ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ
رسول اللہ صلی اللہ	علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
علیہ وسلم یقول ما	کہ کوئی شخص بھی جس کو کسی دوسرے
من رجل یصاب بشیء	کی جانب سے کوئی بدنی تکلیف
فی جسدہ فتصدق	پہنچی ہو اور وہ اس کو معاف
بہ الا رفعہ اللہ	کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک
بہ درجة وحط	درجہ بلند اور ایک خطا معاف
عنہ خطایاہ"	کر دیتے ہیں۔

یہاں معاف کر دینے کو تصدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صاحب "روح المعانی" نے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ اس جگہ "عفو" کی جگہ پر "تصدق" کا لفظ لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے استعمال کیا گیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

والتعبیر فی ذالک	اس آیت میں تصدق سے
بالتصدق للمبالغة فی	تعبیر کرنا اس مقصد سے ہے
الترغیب (روح المعانی ۶/۱۴۶)	کہ ان لوگوں کو اس پر آمادہ

. . . . کرنے میں رغبت دلائی جائے۔

قریب قریب یہی مضمون تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے۔ جس سے حدیث شریف کے بیان کردہ معنیٰ کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور ان حضرات کے وہم کی تردید ہو جاتی ہے جو زیر بحث حدیث کو ترقیع باعضاء الانسان کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔

لہٰذا ہمارے نزدیک حدیث مذکورہ سے اعضاء انسان کی پیوندکاری کا اثبات نہ صرف غلط ہے بلکہ سلف و خلف سے حدیث و کتب حدیث کے معنیٰ منقولہ میں اپنی نفسانی خواہش کے مطابق تحریف و تغییر کے مترادف ہے۔

نتائجِ بحث

یہاں ہم بحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ قارئین کرام کی سہولت کے لئے نتیجہ بحث لکھ دیتے ہیں۔

(۱) طبِ جدید (جدید ڈاکٹری تعلیم) کے تحت حصول تعلیم کے لئے انسانی لاش کی قطع و برید جائز نہیں بلکہ حرام اور گناہ ہے۔

(۲) طب جدید کے تحت اندھے پن کا علاج کسی انسانی آنکھ یا قرنیہ کے ذریعہ جائز نہیں، معصیت اور گناہ ہے۔ بلکہ انسان کے کسی بھی ناکارہ یا مفقود اعضاء کا دوسرے انسان کے اعضاء کی قطع و برید کر کے علاج کرنا جائز نہیں مثلاً گردہ، جگر، پھیپھڑے، آنکھیں دماغ وغیرہ کی قطع و برید کر کے علاج کرنا جائز نہیں۔

(۳) وجوہاتِ قتل معلوم کرنے کے لئے انسانی لاش کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) جائز نہیں۔

(۴) طبی رپورٹ کے واسطے انسانی لاش کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) جائز نہیں۔

(۵) طب جدید کے تحت حصول تعلیم اور تجربے کے لئے مذبوحہ جانوروں کے اعضاء اور مصنوعی اعضاء کا استعمال ممکن ہے اور جائز بھی ہے۔

(۶) انسان کے ناکارہ اعضاء کا علاج اگر کرنا چاہیں تو مذبوحہ جانوروں کے اعضاء یا مصنوعی اعضاء سے جائز ہے۔

(۷) خنزیر (سور) کے اعضاء کے ذریعہ بھی علاج بغیر حالتِ اضطراری جائز نہیں۔

غرض کہ انسانی اعضاء کے ذریعہ علاج جائز نہیں کیونکہ اس میں درجِ ذیل خرابیاں اور مفاسد پائے جاتے ہیں۔

(الف) انسانی لاش کی قطع و برید کرنے سے اس کی توہین ہوتی ہے۔ جب کہ نصوص شرعیہ میں اس کی تکریم و احترام کا حکم ہے۔

(ب) انسانی لاش کی قطع و برید کرنے سے میت کو ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ شرعاً جن باتوں سے زندہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے انہیں باتوں سے مردہ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

(ج) مرنے کے بعد بھی انسانی لاش کے ساتھ روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ اسی لئے میت کو قبرستان لے جاتے وقت میت چیختی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔

(د) انسانی لاش اور اعضاء کی قطع و برید سے تغیر فی خلق اللہ لازم آتی ہے یعنی فطری اور پیدائشی صورت میں بگاڑ پیدا کرنا جو کہ ممنوع اور حرام ہے۔

(ک) انسانی لاش اور اعضاء کا استعمال اور ابتذال ناجائز ہے جب کہ اس کی قطع و برید سے اس کا استعمال و ابتذال لازم آتا ہے۔

(و) انسانی جسم یا اعضاء کی قطع و برید کر کے اس سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

(ز) انسانی اعضاء کی قطع و برید (پوسٹ مارٹم) میں مذکورہ خرابیوں کے علاوہ بے پردگی اور مستور حصوں کا دیکھنا بھی لازم آتا ہے۔ جب کہ بلا ضرورت شدیدہ مستور حصوں کا دیکھنا ناجائز ہے۔

(ح) انسانی جسم یا اعضاء سے غذا یا دوا حاصل کرنا کسی حال میں جائز نہیں خواہ ضرورت میں یا اضطرار میں۔

(ط) انسان اپنے جسم و اعضاء کا اس طرح مالک و متصرف نہیں جس طرح مال کا مالک و متصرف ہے۔ لہٰذا انسانی لاش اور اعضاء کی قطع و برید کرنے میں دوسرے کی ملک یعنی اللہ تعالیٰ کی ملک میں ناجائز تصرف کرنا لازم آتا ہے۔

(ی) قیامت کے دن انسانی لاش میں قطع و برید کرنے والوں اور اس کی اجازت دینے والوں سے مسئولیت ہوگی۔

(۸) انسانی اعضاء کا ہبہ و عطیہ کرنا جائز نہیں نہ ہی اس کی وصیت کرنا جائز ہے

(۹) اگر بالفرض کسی نے ہبہ یا عطیۂ کسی عضو کو دینے کے لئے وصیت بھی کی ہے تو ورثا کے لئے اس کی تنفیذ ——— لازم نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۰) اگر اس طرح کی وصیت کی گئی اور اس پر عمل کیا گیا تو وصیت کرنے والا اور اس کی تنفیذ کرنے والے سب گناہگار ہوں گے۔

(۱۱) اعضاء کے عطیہ یا ہبہ کرنے والے کا حشر ہبہ کردہ اعضاء کے بغیر ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہیں کیا تو عذاب بھی ہوگا۔

(۱۲) ماہر ڈاکٹروں کی رائے سے اگر کسی مریض کا علاج اس پر موقوف ہے کہ عضو ماؤف کی قطع و برید اور اس کے آپریشن کے بغیر علاج ممکن نہیں تو مریض کی اجازت سے اس کے اپنے جسم سے ضرر کو دفع کرنے کے واسطے عضو

ماؤف کی قطع و برید اور آپریشن کرنا جائز ہے۔ اگر مریض فاتر العقل اور نابالغ ہے تو ولی اور وارث کی اجازت سے آپریشن کرنا جائز ہے۔

(۱۳) بلا ضرورتِ شدیدہ جب کہ دوسرا طریقۂ علاج موجود ہو ایسا آپریشن کرنا جس سے جان یا جسمانی اعضاء میں سے کسی عضو کے ضائع ہونے یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ غالب ہو جائز نہیں۔

(۱۴) عام طور پر ولادت کے موقع پر بلا ضرورتِ شدیدہ بعض ڈاکٹر حضرات مریضہ کو آپریشن کرانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ بہت غلط اور ناجائز بات ہے۔ کیونکہ ماں کے پیٹ کے اندر بچہ پیدا کرنے والا اللہ رب العالمین ہے۔ اس کو باہر نکالنے کا فطری طور پر انتظام کر رکھا ہے۔ آپریشن کا طریقہ غیر فطری طریقہ ہے حتی الامکان اس سے بچنا شرعاً اور اصولِ طب کے اعتبار سے بھی ضروری ہے۔ بعض دفعہ ۹، ماہ سے دس ماہ تک اگر بچہ کا تولد نہیں ہوتا تو آپریشن کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ شرعی طور پر ایک بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہ سکتا ہے اور یہ ممکن ہے۔ لہٰذا بغیر انتہائی مجبوری کی حالت کے آپریشن کرنا اور کروانا درست نہیں ہے۔

(۱۵) البتہ مریضہ کی حالت اگر انتہائی نازک ہے اس کو جانی نقصان کا خطرہ ہے یا کسی عضو کے ضائع اور ناکارہ ہونے کا اندیشہ غالب ہے یا تکلیف شدید اور ناقابل برداشت ہے تو اس وقت آپریشن کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ جب کہ مریضہ اس کے لئے راضی ہو۔ لیکن آپریشن کے موقع پر درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری اور واجب ہے۔

(الف) لیڈی ڈاکٹر آپریشن کرے، اگر لیڈی ڈاکٹر میسر نہیں یا ماہر نہیں جس سے نقصان کا اندیشہ غالب ہے تو مرد ڈاکٹر بھی آپریشن کر سکتے ہیں۔

(ب) ضرورت سے زائد چیر پھاڑ کرنا جائز نہیں اس لئے کم سے کم چیر پھاڑ کی کوشش کرے۔

(ج) مرد ہو یا عورت آپریشن کے موقع پر مستور اعضا کے آپریشن میں صرف ضرورت کے مقام کو کھولا جائے، ضرورت سے زائد اعضا یا جسم کا کھولنا جائز نہیں۔

(د) ڈاکٹر حضرات ضرورت کی حد تک تو نظر کر سکتے ہیں غیر ضروری حصہ کی طرف دیکھنے یا اسے ضرورت سے زائد وقت کھلا چھوڑنے سے احتراز کریں۔

(۱۶) ہسپتالوں میں جن لوگوں کی موت واقع ہوتی ہے۔ اصولاً ان کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں، خواہ کوئی وجہ ہو یا نہ ہو یہ قانون قرآن و حدیث کی رُو سے بالکل غلط ہے لہٰذا ایسے موقع پر ڈاکٹروں کو چاہیئے کہ انسانی لاشوں کی قطع و برید سے تا بہ امکان بچنے کی کوشش کریں اور قانون ساز اداروں کو چاہیئے کہ ایسے قانون کو ختم کر دیں۔

(۱۷) انسانی خون کے بارے میں علما محققینؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں جب جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن خون دینے والے کے لئے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں اگر لینے والے کو قیمت کے بغیر خون نہیں ملتا تو اسکے لئے ضرورت کی بنا پر قیمت دینا تو جائز ہے لیکن لینے والے کے لئے ناجائز و حرام ہے۔

(۱۸) اور جب ضرورت کے تحت خون دیا جائے گا تو اتنا خون دیا جائے گا جس سے ضرورت پوری ہو جائے، ضرورت سے زائد خون چڑھانا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۹) واضح رہے کہ جہاں جہاں ضرورت مرض کی بنا پر اپنے اعضا میں سے عضو ماؤف کو قطع کرنے یا آپریشن کرانے یا مریض کو خون دینے کی اجازت ہے،

شرعاً اس پر عمل کرنا واجب یا لازم نہیں ہے اگر کوئی مریض اس پر راضی نہیں ہوتا اور مر جاتا ہے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے بارے میں علماء کرام کے چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

اعضاء انسان کی پیوندکاری کے عدم جواز پر مختلف ممالک کے علمائے کرام اور مفتیان کرام کے فتاویٰ

علمائے ہند کا فتویٰ

سب سے پہلے ہندوستان کے علماء اور مفتیانِ کرام کے فتاویٰ پیش خدمت ہیں، چند سال قبل جمعیت علماء ہند کے ادارہ "المباحث الفقہیہ" نے ایک سوالنامہ علماء و مفتیان کی خدمت میں بھیجا، وہ سوالنامہ اور اس کے جواب میں موصول ہونے والے فتاویٰ درج ذیل ہیں۔

حضرات علماء کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

انسانی خون اور اعضاء کو طبی اغراض کے لئے استعمال کے جواز و عدم جواز کے متعلق چند سوالات پر مشتمل ایک استفتاء علماء کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا جس کے جوابات کا یہ مختصر لیکن مدلل خلاصہ جناب کی خدمت میں روانہ کیا جارہا ہے، تاکہ جوابات میں مذکورہ دلائل اور استدلالات ملاحظہ فرما کر جناب اس مسئلہ میں اپنی قیمتی رائے سے ادارہ کو مطلع فرمائیں اور عنداللہ مشکور ہوں۔

سوالات یہ ہیں:

مریضوں اور زخمیوں کی جان بچانے کے لئے انسانی خون کے انجکشن دینا۔

مرنے والوں کی آنکھیں متوفی کی وصیت یا ورثا کی اجازت سے نکال کر قابل علاج اندھوں کو لگانا۔

خون اور آنکھوں کے بینک قائم کرنا۔

خون اور آنکھوں کا خریدنا یا بیچنا۔

یہ امور شرعاً جائز ہیں یا نہیں بیّنوا توجروا

اس سلسلہ میں ادارہ کو حسب ذیل حضرات کے جوابات موصول ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

از حضرت مولانا عبد العزیز صاحب
مظاہر العلوم (سہارنپور) ہندوستان

جواب نمبر ۱:

ظاہر مذہب کے لحاظ سے اشیائے محرمہ کا استعمال دواً بھی جائز نہیں، ہاں البتہ حالت اضطرار میں امام ابویوسفؒ کے قول کی بنیاد پر گنجائش ہے، مگر حد اضطرار جو کہ عام طور پر معروف ہے، وہ نہیں ہے بلکہ اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ مریض یا بھوکا آدمی اس حد کو پہنچ جائے کہ اگر وہ شے ممنوع استعمال نہ کرے تو ہلاک ہو جائے یا کہ ہلاکت کے قریب پہنچ جائے، چنانچہ شرح اشباہ میں ہے:

"ھھنا خمسة مراتب ضرورة الیٰ ان قال فالضرورة بلوغه حدا ان لم یتناول الممنوع ھلك او قارب الھلاك وھذا یبیح تناول الحرام"

فتاویٰ ہندیہ میں ہے

"تکلموا فی حد الاضطرار الذی یحل له المیتة قیل

اذا کان بحال یخاف علیٰ نفسہٖ التلف الخ۔"

اس حالت میں مضطر کو اکل میتۃ اور شرب دم حلال ہوجاتا ہے، لیکن بعض علما کے نزدیک حرمت بھی مرتفع ہوجاتی ہے، اور بعض کے نزدیک گناہ مرتفع ہوجاتا ہے، حرمت باقی رہتی ہے۔

حالتِ اضطرار میں مریض کے لئے یہ تجویز کرنا کہ اس کے لئے اب سوائے شئ محرم کے کوئی اور چیز نافع نہیں ہوگی، اس کا تعلق تجربہ اور طبی مہارت سے ہے، اگر ماہر طبیب مسلم ہو یا غیر مسلم اپنے تجربہ کی بنا پر شئ حرام کے استعمال کا مشورہ دے، تو اس کو قبول کرنا جائز معلوم ہوتا ہے، نیز اس دور میں ہر جگہ غیر مسلم اطبا چھائے ہوئے ہیں، اوّلاً تو مسلم ڈاکٹر موجود ہی نہیں اور اگر ہیں تو ماہر نہیں، اگر ماہر بھی ہیں تو نادر الوجود ہیں اس لئے شدید ضرورت کے وقت جہاں مسلم طبیب اور ڈاکٹر نہ ہوں، غیر مسلم طبیب کے مشورے سے حرام دوا کا استعمال درست معلوم ہوتا ہے۔ ھذا ما عندی۔

اعضائے انسانی نہایت محترم ہیں، انکا استعمال اور ابتذال حسب تصریح فقہاً جائز نہیں ہے اس لئے ان کے بارے میں کسی کو وصیت کرنا بھی درست نہیں ہے، نیز یہاں ضرورت کا وہ درجہ بھی متحقق نہیں ہوتا جس کی بنا پر اشیائے محرمہ کا استعمال جائز ہوجاتا ہے، اس لئے نہ شرعاً ایسی وصیت کا اعتبار کیا جائے گا، اور نہ اطبا کے لئے اعضا موتیٰ کا استعمال حلال ہوگا۔ (بحوالہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

از حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب

مدرسہ شاہی (مراد آباد) ہندوستان

جواب نمبر ۲:

حفاظتِ جان کے ظنِ غالب میں دیگر ادویہ میسر نہ ہوں تو خون کے انجکشن

وغیرہ درست ہیں، ظن غالب کا مبنیٰ خود مبتلیٰ بہ کا تجربہ ہو، یا طبیب حاذق و ڈاکٹر مسلم یا غیر مسلم پر اعتماد ہو، شرعاً بوقتِ ضرورت و حاجت مبتلیٰ بہ پر عمل درست ہے۔ خصوصاً طبی تجاویز و معالجات تمام تجربات و ظنیات پر مبنی ہیں، مسلم عادل ماہر طبیب، ڈاکٹر بھی یقینی شفا کے مدعی نہیں ہوتے، جوازِ تیمم میں جس طرح مسلم حکیم کی رائے معتبر ہے، مریض کا غلبہ ظن بھی معتبر ہے، نیز اکراہ علی الکفر میں مکرہ کا غلبۂ ظن اجازت کفر لسانی کے لئے معتبر ہے، مسلم اور عادل کی شرط معالجات میں غلبہ ظن کی تحصیل کے لئے ہے، لہٰذا علاج بالدم کے لئے بوقت احتیاج غلبہ ظن کافی ہے، ایسی صورت میں بقاء جان کے لئے خون کے انجکشن جائز ہیں۔ بغیر معاوضہ اگر خون نہ دستیاب ہو تو معاوضہ دیکر خریدنے کی اجازت ہے، لیکن خون کا بیچنا جائز نہیں ہے جس چیز کا استعمال عام حالات میں جائز ہو اس کی خرید و فروخت بھی علی الاطلاق جائز ہوتی ہے، لیکن جس چیز کا استعمال ضرورتاً جائز کیا جاتا ہے تو اس کی خریداری تو بوجہ مجبوری جائز ہوتی ہے۔ لیکن اس کا بیچنا بدستور حرام ہی رہتا ہے (ہبہ کرنا چاہیئے) مسئلہ یہ ہے کہ دمِ مسفوح کے قابض کو بغیر استحالہ کے دم مسفوح فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ مذبح کے خون کا ٹھیکہ اور مشتری (غیر مسلم) کو بنانا بھی حرام ہے، ایسے ٹھیکے کے دام بذریعہ تملیک مفاد عامہ میں بغیر نیت ثواب خرچ کر دینے ضروری ہیں بشرطیکہ ان کی واپسی مشتری کو ناجائز ہو، البتہ سفوف وغیرہ بنانے کی نیت سے غیر انسانی خون کو محفوظ کرنا اور اس میں استحالہ کی تدابیر کرنا درست ہے اس کے لئے مذبح کی زمین کو کرایہ پر اٹھایا جا سکتا ہے، دراصل دم مسفوح اور میت و اعضاء انسانی میں مال متقوم کی تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ مال متقوم کی تعریف یہ ہے:

"المتقوم ما یمکن ادخاره مع الاباحة اذ التقوّم

یثبت باباحۃ لا انتفاع بھا شرعاً (شامی ص۱۰۱ ج۲) نجس العین کی بیع باطل کالعدم ہے، لا یجوز اھانتہ لہ (فتح ص۲۰۲)

خلاصہ یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت خون کے انجکشن مبتلیٰ بہ کے غلبۂ ظن اور معالجین ماہرین کی رائے سے درست ہے، اگر بلامعاوضہ نہ مل سکے تو شعرِ خنزیر کی طرح اس کا خریدنا بھی درست ہے، لیکن بیع بہرحال ناجائز ہے۔

انتفاع کا یقینی ہونا جوازِ بیع شرعی کو مستلزم نہیں ہے، مردہ کے کل اور جز کی بیع حرام ہے متروک التسمیہ کے مردہ اور مذبوحہ ہونے میں اختلاف ہے مگر اس کی بیع احناف کے نزدیک حرام ہے، قضاءِ قاضی اور اجتہادِ مجتہد بھی اس کے جواز کے لئے عندالاحناف اثر انداز نہیں۔ جیسا کہ شامی میں ہے:

من تعمد ترك التسمیۃ مسلماً او کتابیاً لا یبیح فیہ الاجتھاد لو قضی القاضی جواز بیعہ لا ینفذ (شامی ص۱۳۶ ج۵)

اور ماذھب الیہ الشافعی مخالف للاجماع۔

انسانی اعضاء کا مسئلہ

انسان کے اعضاء بھی لوجہ الحرمت مال نہیں ہیں، کیونکہ مال کی تعریف یہ ہے:

"المال اسم لغیر الآدمی خلق لمنفعۃ المطلقۃ شرعاً (شامی ص۳۶ جلد ۵) انسانی اعضا کا استعمال بہرحال ممنوع وحرام ہے، اور اس کی خرید و فروخت ممنوع ہے، ہبہ و وصیت بھی ناجائز ہے۔ ان کا بینک قائم کرنا جرم عظیم ہے، نہ ان کے ذریعہ علاج درست ہے نہ ان کی پیوندکاری جائز ہے خون کے مسئلہ پر قیاس کرنا غلط ہے، خون کسی جسم کا من حیث العضو جز نہیں ہوتا،

خون یا نطفہ یا علقہ یا مضغہ، جب تک خلق کے درجہ کو پہنچے، جسم انسانی میں شمار نہیں کیا جاتا، بصورتِ اسقاط دم یا مضغہ کا انسانی نام مشروع نہیں ہے، ہاں اگر نقشہ اعضا بن جاتے پھر اسقاط ہو، تو انسانی نام مشروع ہے، ان مراتبِ خلق کے بعد اس سے روح ربانی کا تعلق قائم ہوتا ہے، اور اس کا احترام انسانیت کا احترام کہلاتا ہے، لہٰذا دم انسانی کو عُلمِ انسانی کا مصداق سمجھنا صحیح نہیں، ہاں اعضا کی صورت میں اس کو عُلمِ انسانی سے مشرف کرنا مشروع ہے، نیز اضطراری حالت میں رفع حرمت ہوتا ہے، رفع احترام نہیں ہوتا، اسی لئے حاجت کے وقت خون کا خریدنا جائز ہے لیکن اعضاء کی خریداری اس وقت بھی حرام ہی ہے، کیونکہ حرمت اعضا بدستور قائم رہتی ہے، من البیع الفاسد شعر الانسان ولو کان کافراً اور ولا یجوز التداوی بشی من الآدمی الحیی کذالك لا یجوز التداوی بعظم المیت اکراماً له قال علیه السلام کسر عظم المیت ککسر عظم الحیی (شرح سیر کبیر ص ج ۱، مطبوعہ دکن)

بنابریں موتی کی آنکھیں لگوانا یا انسانی آنکھ کی خرید و فروخت کرنا یا اپنی آنکھوں کے لئے وصیت کرنا ناجائز اور حرام ہے، کذالك جلد الآدمی لکرامته ولئلا یتجاسر الناس علیٰ من کرمه اللہ بابتذال اجزائه کذا فی العنایه ص۲ ج ۱ وکذا عند الشوافع وان رقع عظمه بعظم الانسان فعلیه قلعه واعاد کل صلوٰة صلی معه والا اجبره السلطان علیٰ قلعه قاله الشافعی فی الام ص۵۲ ج ۱)

آنکھوں کی تبدیلی کے جو منافع بتائے جاتے ہیں وہ بھی اس کی مشروعیت کی دلیل نہیں۔ "اثمهما اکبر من نفعهما" کے اصول پر اس کے مفاسد پر بھی غور کرنا چاہیئے، آنکھوں وغیرہ کے بنک قائم کرنے سے انسانیت

کی توہین ہے، احترام انسانیت کا ختم کرنا لازم آتا ہے، والآدمی مکرم شرعاً ولو کان کافراً فایراد العقد وابداله به الحاقه بالجمادات واذلال له (ہدایہ) (فتح ص۲۰ جلد۵) جزء الآدمی مکرم مصون عن المبتذل بالبیع الجواز یتبع المالیه ولا مالیة للانسان (فتح ص۲۰ جلد۵) انسان اگر حالتِ اضطرار میں دوسرے کا مال طیب کھائے اور موت آجائے تب بھی حرام موت کا گنہگار نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ اس صورت میں اباحت بلا وجوب ثابت ہوتی ہے، لیکن غیر انسان میں خواہ وہ میتہ ہو یا خنزیر ہی کیوں نہ ہو وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اگر حالتِ اضطرار میں ان کا استعمال نہ کرے، (اگر میسر ہوں) اور مرجائے تو حرام موت کا گنہگار ہوگا لہذا اعضائے انسانی کے استعمال کی بصورت اضطرار بھی اجازت نہیں ہے۔

مسئلہ تو یہاں تک ہے کہ انسان کا جزء طاہر بھی قابل بیع نہیں، یعنی دودھ خواہ مملوکہ باندی کا ہو، اس کی بیع اسی لئے ممنوع ہے کہ وہ مکرم ہے، اور نتیجہ کے اعتبار سے خطرناک ہے لان حرمة المصاهرة تثبت بشربه ففی اشاعة بیعه فتح لباب فساد الأنكحة بين المسلمين فانه لا يقدر على ضبط المشترين والبائعين فيشيع فساد الانكحة۔ (فتح ص۲۰۲ جلد۵)

بہرحال اس بیع کا خلاصہ محقق ابن ہمامؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

ان الاتفاق علی ان حرمة المسلم میتاً کحرمته حیاً بیع شعر الانسان ولو کان کافراً فاسد' (فتح ص۱۲۵ جلد۴)

رہا اضطرار کا معاملہ تو فقہاؒ نے اس کے چار مواقع پیش فرمائے ہیں۔ ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، حاجت یا منفعت کو ضرورت کے خانہ میں لانا درست نہیں، ضرورت کی تعریف یہ ہے:

"بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك او قارب الهلاك هذا يبيع الحرام و ما يبيح للضرورة يتقدر بقدر الضرورة۔

اور حاجت کے معنٰی یہ ہیں: والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد و مشقة وهذا لا يبيح الحرام

حاجت میں حرام کا استعمال درست نہیں، البتہ عبادات میں تخفیف و آسانی کی مشروعیت ثابت ہے، ضرورت پر حاجت کو قیاس کرنا اور کھانے کے اضطرار کو علاج میں شمار کرنا غلط ہے۔

منفعت اور زینت کو اباحت یا تخفیف میں کوئی دخل نہیں، پانچواں طریق استعمالِ فضولیات ہے جو نامشروع ہے۔ مثلاً اکل محرمات و مشتبہات فتح القدیر میں یہ مسئلہ بہ تفصیل مذکور ہے نیز مشقت کے بھی تین درجات ہیں عظیمہ، خفیفہ، اور متوسطہ ہر ایک کے احکام جداگانہ ہیں العظيمة كخوف النفس و الاعضاء هى موجبة للتخفيف خفيفة الخ (قاضیخان ص۶۶، جلد۱)

ازحضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
حیات العلوم مراد آباد (ہندوستان)

جواب نمبر ۳:

خون انسان کا جز ہے اس لئے محترم ہے اور بدن سے نکال لئے جانے کے بعد نجس اور حرام ہے، اس لئے محترم ہے دونوں اعتبار سے اس کا استعمال ناجائز ہے۔

الانتفاع باجزاء الآدمى لم يجز قيل للنجاسة وقيل للكرامة

وهو الصحيح كذا فی جوهر الاخلاطی لیکن اضطرار کی حالت میں جب کہ ماہر ڈاکٹر کے نزدیک خون کے انجکشن کے سوا اور کوئی علاج مفید نہ ہو تو جائز ہے، یہ حکم عالمگیری کے حسب ذیل حوالہ پر قیاس کیا گیا ہے ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ولیشربه للدوا انجکشن کے لئے جو خون دیا جاتا ہے، اور پھر وہ اس کے بدن کا جزء بنتا ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں خون کی مثال دودھ جیسی ہے، خون کا انجکشن جس حالت اضطرار میں جائز ہے، وہ ہلاکت کے یقین یا مرض کی طوالت کے غلبۂ ظن پر مبنی ہے لیکن محض طاقت یا اور کسی منفعت وزینت کے لئے انسانی خون کا انجکشن جائز نہیں ہے، اعضائے انسانی انسان کی ملکیت نہیں ہیں، خدائے پاک نے اس کو امانت کے طور پر دیئے ہیں، لہٰذا انسان کو جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی دوسرے انسان کو دینا بھی حرام ہے۔ حتیٰ کہ ضرورت اور اضطرار کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، خرید و فروخت یا ہبہ اپنی ملکیت میں ہوتا ہے اعضائے انسانی جب اپنی ملکیت ہی نہیں تو ان میں کسی قسم کا تصرف بھی جائز نہیں ہے یہ مسئلہ عالمگیری کے اس جزئے سے لیا گیا ہے:

مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل إقطع یدی و کلها او قال اقطع منی قطعة و کلها لا یسعه ان یفعل کذالك ولا یصح امره به۔

خون کا بینک قائم کرنا شرعی ضرورت سے خارج ہے، اس لئے جائز نہیں اگر حاجت و ضرورت کے وقت بغیر معاوضہ خون نہ مل سکے تو خریدنا جائز معلوم ہوتا ہے۔

از حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب
دار العلوم دیوبند (ہندوستان)

جواب نمبر ۴:

جان بچانے کے لئے مجبوری و اضطرار کی حالت میں انسانی خون استعمال کرنے اور اس کے انجکشن لگانے کی تداوی بالحرام کے قاعدہ کے مطابق گنجائش کا مطلب یہ ہے کہ حالت اضطرار کا لحاظ کرتے ہوئے آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا، ایسی مجبوریاں چونکہ اچانک بھی پیش آتی ہیں، اور بسا اوقات بہت زیادہ مقدار کی متقاضی ہوتی ہے، نیز مریض کے خون کا نمبر اور خون چڑھایا جاتے اس کا نمبر یکساں ہونا ضروری ہوتا ہے، اسلئے ایک ایک نمبر کی کافی مقدار کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہوتا ہے، ان وجوہات کی بنا پر بینک کا قائم کرنا درست معلوم ہوتا ہے لان الشي اذا ثبت ثبت بجميع لوازمه لہٰذا اس فراہمی کے محفوظ رکھنے کے جو مناسب طریقے ہوں گے اور ان میں جو اخراجات درکار ہوں گے، ان سب کو بھی حدود شرع میں برداشت کرنا ہوگا۔

کوئی شخص اپنے کسی عضو کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ صرف نگران اور محافظ ہوتا ہے اس لئے حکم شرع کے خلاف اس میں کسی قسم کے تصرف کے حق بھی نہیں ہوتا، لہٰذا کسی عضو کا زندگی میں فروخت، یا ہبہ کرنا، مرنے کے بعد کے لئے دینے کی وصیت کرنا، کچھ بھی جائز نہ ہوگا، خون اور تمام اعضائے انسانی کے لئے شریعت مطہرہ کا یہی حکم ہے اور سوال نمبر ۱ میں خون کے استعمال کی جو گنجائش ہے وہ صرف وقتی اور عارضی ہے، اور حالتِ اضطرار کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ اجازت بھی صرف خون کے ساتھ خاص ہے اور کسی عضو کے لئے متحقق نہیں ہوتی، اسلئے کسی عضو کو خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا، بنابریں آنکھوں کی تبدیلی وغیرہ کی شرعاً کوئی گنجائش

نہیں ہے الخ اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات یہ ہیں:

(۱) خون کی اجازت جس اضطرار و مجبوری میں دی جاتی ہے، اس کا قطعی الثبوت ہونا ضروری ہے اور یہ قطعیت معالج کی حذاقت فن اور مہارت کے ساتھ اس بات کی متقاضی ہے کہ اس میں دیانت صحیحہ بھی ہو، جو صرف مسلم دیندار معالج ہی میں متحقق ہوگی، کیونکہ وہ علت اور حرمت کو خوب سمجھتا ہے، غیر مسلم سے یہ توقع نہیں، بلکہ اگر طبیب مسلم بھی بادیانت نہ ہو تو اس کا قول بھی شرعاً معتبر نہ ہوگا، انہی اسباب کی بنا پر فقہاءؒ نے یہ قیود لگائی ہیں، اور یہی اصل حکم ہے، البتہ جس وقت اضطرار و مجبوری کا تحقق جو گنجائش دینے کی بنیاد ہے، ظاہر و نمایاں ہو جائے مثلاً ایکسیڈنٹ یا دم استحاضہ میں زیادتی مہلک و غیرہ تو اس وقت ان قیود کی حاجت نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ حالت خون کی کمی کی وجہ سے ہے، اور اس کا علاج خون چڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہے، ایسے نمایاں حالات کے علاوہ بغیر باشرع طبیب حاذق کے مشورہ و تشخیص کے ممنوعات شرعیہ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر کسی جگہ ایسا طبیب ہی میسر نہ آسکے تو وہاں بوجہ مجبوری مطلق طبیب حاذق جو مسلمانوں کے مذہب کی رعایت رکھتا ہو اور تجربہ اس پر شاہد ہو تو طبیب غیر مسلم کی تشخیص پر بھی استعمال کی گنجائش ہو جائے گی۔

اس موقع پر مولانا نے استفتاء میں بعض اصطلاحی الجھنوں کو دور فرمایا ہے، جو سوالنامہ کی عبارت سے پیدا ہوتی تھیں، نیز مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرادآبادی اور مولانا برہان الدین صاحب لکھنوی نے بھی اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ میں اس عنایت پر تینوں بزرگوں کا مشکور ہوں۔ فجزاهم الله عني خير الجزاء (مرتب)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محرمات منصوصہ بہ نص قطعی میں گنجائش کے لئے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ○ (پ ۸، رکوع ۱)

اس ضابطہ میں محض اضطرار کو مستثنیٰ فرمایا ہے، پر ساتھ ہی تنبیہ بھی فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اضطرار کے مستثنیٰ ہونے کے لئے کچھ قیود و شرائط بھی ہیں ؛ اگر ان کا لحاظ نہ کیا گیا تو گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا ان قیودات کو دوسری آیت کریمہ میں واضح فرمایا ہے۔

فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم (ای غیر متجاوز عن الحدود الشرعیۃ) دوسری آیت کریمہ میں دوسری قید مذکور ہے غیر باغ ولا عاد (غیر قاصد للخروج عن الحدود الشرعیۃ ولا مرتکب للخروج عن الحدود الشرعیۃ)

اس ضابطہ کی تشریح و تفصیل کتب احادیث و فقہ و اصول فقہ میں ہے جس کے تحت استثناء کی مندرجہ ذیل صورتیں نکلتی ہیں۔

۱۔ مخمصہ : بھوک پیاس کی شدت سے جان بلب ہو جائے اور جان بچانے کی بظاہر کوئی صورت نہ رہے، یہ اضطرار کی انتہائی شدید صورت ہے۔

۲۔ جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا یا ناقابل تحمل جسمانی تکلیف مثلاً زدوکوب کی صورت کا یا قید طویل، یا شدید مالی نقصان کا ناقابل تحمل یا ناقابل تلافی ایسا خطرہ ہو جائے کہ اسباب کے تحت اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آئے، اگر یہ صورت کسی دشمن یا ظالم کی طرف سے ہو تو اکراہ ملجیٔ اور جبر تام ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے :

ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء و النسیان وما استکرھوا

علیہ۔ (مشکوٰۃ صہ۵۴)

اور اس کی شرح یہ ہے "ای ما طلب منھم عن المعاصی علی وجہ الاکراہ" اور اس کا حکم یہ ہے "وان اکرہ بقتل او قطع عضو او ضرب مبرح"۔ (درمختار)

۳۔ ضرورت، اگر اکراہ کی مذکورہ بالا صورتیں خود اپنے حالات کی وجہ سے پیدا ہوں، اور اسباب کے تحت ان کا ازالہ اپنے اختیار میں نہ ہو اس صورت کے بارے میں فقہاء الضرورۃ تبیح المحظورات فرماتے ہیں۔

۴۔ اگر جان یا عضو کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو، لیکن قابل تحمل تکلیف یا ناقابل تلافی نقصان کا خطرہ ہو اور اس کا زائل کرنا تحت القدرت نہ ہو تو اگر یہ صورت کسی ظالم یا جابر کے اکراہ سے پیدا ہو تو اس کو اکراہ ملجی کہتے ہیں، ایسے ہی مواقع کے لئے فقہاء الضرر یزال فرماتے ہیں۔

۵۔ اگر نمبر ۴ خود اپنے حالات کی بنا پر پیش آئے تو اس کو حاجت و احتیاج کہتے ہیں۔ ایسے مواقع کے لئے فقہاء کرام یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح فرماتے ہیں یہ پانچوں صورتیں درجہ بدرجہ اضطرار کی ہیں، ان میں مخمصہ اور اکراہ کی صورتوں کے علاوہ دیگر صورتوں میں حکم شرعی یہ ہے کہ زندگی کے جس شعبہ و نوع سے متعلق ہو، جب تک اس کا ماہر حاذق، واقف کار، دیانت دار مسلمان حکم نہ لگا دے کہ واقعی اضطرار متحقق ہو گیا ہے، یا مبتلیٰ بہ کا بار بار کا خود اپنا تجربۂ صحیحہ اس پر شاہد نہ بن جائے، اس وقت تک محرمات منصوصہ کے خلاف کرنے یا اس کے استعمال کرنے کی گنجائش نہ ہوگی، اور ہر شخص کی رائے کا اعتبار نہ ہوگا، ہاں اگر اضطرار و مجبوری صاف طور پر ظاہر ہوتی ہو تو اس صورت میں بغیر ان قیود و شرائط کے بھی وسعت و گنجائش

ہے لقولہ تعالیٰ :

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ولقولہ تعالیٰ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ -

ان اضطرارات کے علاوہ کچھ اور بھی توسعات ہیں، جو آیات کریمہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ اور وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ اور مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وغیرہ سے بھی چند ضابطے نکلتے ہیں :

۱۔ مشقت، جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ تو نہ ہو، البتہ ناقابل برداشت جانی یا مالی نقصان کا شدید خطرہ ہو، لیکن اس کا دفعیہ وازالہ بھی اسباب کے تحت اختیاری ہو، فقہاء اس کے بارے میں المشقۃ تجلب التیسیر فرماتے ہیں۔

۲۔ حرج ۔ ناقابل برداشت جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ تو نہ ہو، لیکن اس کا تحمل دشوار اور شاق ہو مثلاً معاشی تنگی وغیرہ، اس کے لئے فقہاء کرام الحرج مدفوع فرماتے ہیں، مشقت اور حرج میں محرمات منصوصہ کی مخالفت یا ترک کی گنجائش نہ ہوگی، ان کے ازالہ کا دائرہ اثر وہیں تک ہوتا ہے جہاں تک کوئی نص خلاف موجود نہ ہو ۔ الاشباہ والنظائر مع الحموی میں تصریح فرماتے ہیں :

الحرج والمشقۃ انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ واما مع النص فلا

البتہ اس صورت میں نص عسر سے نص یسر کی طرف منتقل ہوا جاسکتا ہے، جیسے نص غسل و وضو سے نص تیمم کی طرف، اور اتمام صلوٰۃ کی نص سے قصر صلوٰۃ کی نص کی طرف منتقل ہونا، اور اگر نص یسر موجود نہ ہو، لیکن مشقت

یا حرج کا باعث ایسا حکم ہے جس کی بنا محض کسی مجتہد کا قیاس یا استنباط ہے تو اس میں بھی شرائط مذکورہ بالا یعنی مبتلی بہ کا تجربہ یا ماہر و حاذق کا فیصلہ ملحوظ رکھتے ہوئے یسر و وسعت کی جانب منتقل ہونے کی گنجائش ہوتی ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری یا ایک کے عضو کو دوسرے کے عضو کے ساتھ جوڑنے میں ان ساتوں صورتوں میں سے کوئی صورت عموماً نہیں پائی جاتی، زیادہ سے زیادہ عدم النفع یا عدم استراحت یا بیش از بیش کلفت کا تحقق ہوتا ہے، لیکن اس میں محرمات شرعیہ کے ارتکاب کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے اعضاء کی پیوندکاری یا جوڑنے یا اور کسی طرح استعمال کرنے کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔

از حضرت مولانا وجیہ الدین خان صاحب

رام پور (ہندوستان)

جواب نمبر

۱۔ دم مسفوح کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، مگر اضطرار و ضرورت میں اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ میتہ حالت اضطرار میں جائز ہے، لقولہ تعالیٰ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ الخ معلوم ہوا کہ انسان کی جان بچانا اتنا زیادہ اہم ہے کہ اس کے لئے حرمت کا حکم اٹھ جاتا ہے۔ یہی حال امراض کا ہے جب مریض کا حال ایسا ہو جائے کہ بجز حرام دوا کے اور کسی شئے سے علاج ممکن نہ ہو تو اس حرام کو استعمال کرا سکتے ہیں الضرورات تبیح المحظورات فقہ کا مشہور قاعدہ ہے، طبیب غیر مسلم حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتا، نہ حالت اضطرار و غیر اضطرار میں فرق ملحوظ رکھتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ وہ حالت غیر اضطرار میں حرام شئے استعمال کرا دے، اس لئے فقہاء کرام نے مسلم کی قید لگائی ہے، لیکن جب انسان کی جان کی خاطر وہ شئے جو نص قطعی سے حرام ہے حلال ہو

جاتی ہے، تو اسی قاعدہ کے تحت یہ قید مسلم بھی اس مقام پر اُٹھ جائیگی جہاں انسان کی زندگی اور موت کا سوال ہو، الاشباہ والنظائر میں قاعدہ رابعہ میں ہے المشقۃ تجلب التیسیر اور اس کے تحت آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے ثابت کیا ہے کہ بہت سے ایسے مسائل جو اصل کے اعتبار سے ناجائز تھے، لیکن خارجی امور کی بنا پر اسی قاعدہ کے بیش نظر جائز قرار دیئے گئے ہیں پس جس طرح اضطرار میں دم مسفوح کا استعمال حلال وجائز ہے اسی طرح غیر مسلم حاذق کا اس کو استعمال کرانا بھی جائز ہے، اگر بلا قیمت خون دستیاب نہ ہو تو خریدنا جائز ہے، البتہ فروخت کرنے والے کے لیۓ جواز کا میں قائل نہیں۔

۲۔ آدمی کے اجزاء سے انتفاع حرام ہے اور میّت کی بے حرمتی بھی حرام ہے، جب کہ وہ مسلمان بھی ہو، اس لئے آنکھوں کا نکالنا اور دوسرے کو لگانا جائز نہیں ہے، اور یہاں حالتِ اضطرار بھی موجود نہیں ہے، نابینا ہونے کی حالت میں بھی انسان زندہ رہتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ کمی زیادتی کا فرق ہے لیکن اتنا فرق محرّمات شنیعہ کے لئے مجوز نہیں ہوتا

۳۔ اسلحہ مہلکہ پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ وہاں حالت اضطرار ہے، دشمن ان کا استعمال کرے گا، اس لئے موت، اور اسلام کا مٹنا یہ ایسا خطرہ ہے جس نے اضطرار پیدا کر دیا، اور مروجہ ہتھیاروں کا استعمال اور بنانا جائز ہو گیا کیونکہ وہی قاعدہ یہاں جاری ہوگا، "الضرورات تبیح المحظورات" برخلاف نابینگی کے اس میں یہ بات نہیں ہے، اسلئے اسکا استعمال حد جواز میں نہیں آتا، اس وجہ سے بنک قائم کرنا اور سوال میں دیگر مندرج چیزیں ناجائز و حرام ہیں۔

فقط

از حضرت مولانا برھان الدین صاحب سنبھلی
ندوۃ العلماء لکھنو، ہندوستان

جواب نمبر ۶ :

غیر انسانی خون اور دیگر اشیائے محرمہ کا بطور دوا استعمال صرف اس حالت میں جائز ہوگا، جب یہ یقین (یا غلبہ ظن) حاصل ہو جائے کہ اس دوا کے بغیر زندگی نہیں بچ سکتی، نیز اس حرام دوا سے زندگی کا بچنا عادتاً یقینی ہے، یہ یقین خواہ طبیب مسلم کے بتلانے سے ہوا ہو یا کسی اور قابل اعتماد ذریعہ سے، دونوں شکلوں کا حکم یکساں ہوگا دلائل یہ ہیں :

۱۔ وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ الفتوی۔ (شامی)

۲۔ والظاھر ان التجربۃ یحصل بھا غلبۃ الظن دون الیقین الا ان یریدوا بالعلم غلبۃ الظن وھو شائع فی کلامھم (در المختار مع رد المحتار ص۲۱۰ جلد ۱)

فقہا کے کلام میں طبیب مسلم کی قید اتفاقی ہے جو اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس کو تجربہ اور مطالعہ کی بنا پر مرض کے بارے میں صحیح علم اور غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے، نیز مسائل سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ اضطرار اور غیر اضطرار میں فرق ملحوظ رکھتا ہے، بہرحال اس مسئلہ میں طبیب مسلم بمنزلہ شرط نہیں ہے؛ شرط صرف اسی قدر ہے کہ مرض کی اضطراری حالت کے متعلق غلبۂ ظن پیدا ہو جائے، تمام کتب فقہ میں دوائے حرام کی اجازت بغیر طبیب مسلم کی شرط کے صرف اذا علم فیہ الشفاء کے الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، مثلاً عطشان کے لئے شراب کی اجازت (شامی ص۲۱۵ جلد ۵) بالاتفاق

بلا طبیب کی شرط کے دی گئی ہے، کیونکہ ان صورتوں میں شراب کا نافع ہونا طبیب کے بتائے بغیر بھی اکثر کو معلوم ہوتا ہے، بلکہ علامہ طحاوی فرماتے ہیں:

ولو ان مریضاً اشار الیہ الطبیب بشرب الخمر روی عن جماعة من ائمة بلخ انہ ینظر ان کان یعلم یقیناً أن یصح حل التناول۔ (طحاوی ص۲۱۵ جلد۴)

یعنی طبیب کے مشورہ کے بعد بھی مریض کو دیکھنا ہوگا کہ اس شراب سے واقعی وہ تندرست ہو جائے گا، اگر ایسا یقین ہو تو استعمال جائز ہوگا، اس جیسے مواقع پر غلبۂ ظن کے اصل ہونے کی تائید علامہ کاسانی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے، أن العبرة الغالب الرأی واکثر الظن (بدائع کتاب الکراہیہ) احکام غیر انسانی خون سے متعلق ہیں، رہا انسانی خون کا معاملہ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجزا کا استعمال بسبب احترام انسانیت ممنوع ہے، فقہاء نے انسانی جسم کے پاک اجزاء مثلاً باندی کے دودھ کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت کرنا ناجائز بتایا ہے، محقق ابن ہمام فرماتے ہیں۔ لا یجوز بیعہ نیز فرماتے ہیں، اذا استغنی عن الرضاع لا یجوز شربہ والانتفاع بہ یحرم۔ (فتح القدیر ص۲ جلد۲) جب انسان کے پاک اجزاء کا یہ حکم ہے تو اس کے ناپاک اجزاء مثلاً خون کے حکم میں تو اور بھی شدت ہونی چاہئے، لیکن فقہاء متاخرین نے انسانی دودھ کے بطور دوا استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، مثلاً عالمگیری میں ہے "لا باس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ولیشربہ للدوا" اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے محض اضطرار کی صورت میں کچھ شرطوں کے ساتھ انسانی خون کے انجیکشن کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے (معارف القرآن ص۴۱۹ جلد۱)

جن احادیث و آثار میں اشیائے محرمہ میں عدم شفا بتایا گیا ہے، جیسے شراب کو دوائی کے بجائے داء فرمایا گیا ہے، تو فقہاء کی اجازت اس کے خلاف نہیں ہے، علامہ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں، نقول نعم ان الشئی مادام حراما علینا فلا شفاً لنا فیہ فاذا اضطررنا الیہ فلم یحرم علینا حینئذ بل ھو حلال فھو لنا حینئذ شفاً (المحلی لابن حزم الظاہری صفحہ ۵ ۱)

فقہاء نے ان اشیائے محرمہ کو بطور دوا استعمال کرنے کی اجازت ان آیات کی بنیاد پر دی ہے، وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (سورہ انعام) یا سورہ بقرہ کی یہ آیت فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، ان آیات میں جب بھوک کی شدت سے جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو میتہ، خنزیر اور خون وغیرہ کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لہذا انہی آیات سے بیماری یا کسی اور حادثہ کی وجہ سے جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اشیائے محرمہ کے استعمال کی اجازت دلالتہً ثابت ہوتی ہے، بعض فقہاء حدیث عرینین سے بھی تداوی بالحرام کا جواز اخذ کرتے ہیں، ... چنانچہ ان کے نزدیک بغیر اضطراری حالت کے بھی دوائی حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت ہے، ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ حالتِ اضطرار میں جب حلال موجود مؤثر نہ ہو صرف جان بچانے کے لئے اشیائے محرمہ بشمول انسانی خون اتنی مقدار میں دوائی استعمال کرنا جائز ہے جس سے عادۃً جان کا بچنا یقینی ہو، ان ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا (کذا فی الاشباہ صفحہ ۱۲۲) اضطرار کی حالت اور حرام میں شفاء کے مؤثر ہونے کا علم خواہ طبیب مسلم کے بتانے سے ہو اگرچہ اور قابل اعتماد ذریعہ سے جو مفید علم یقینی یا موجبِ ظن ہو، معتبر ہے۔

تبدیلی اعضا خون کی خرید و فروخت کی بحث کرنے سے پہلے مولانا نے اضطرار سے متعلق استفتا کی عبارت سے پیدا شدہ ایک الجھن کی طرف متوجہ فرمایا ہے، اسی طرح حضرت مولانا نظام الدین صاحب دیوبند اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مراد آباد نے بھی اس طرف اشارہ فرماکر اضطرار کے مراتب فقہیہ تحریر فرمائے ہیں، میں تینوں حضرات کی اس عنایت کا تہ دل سے مشکور ہوں، فجزاهم الله عنی خیر الجزاء (مقبول الرحمٰن)

فقہائ کے نزدیک حقیقی ضرورت جس سے اضطرار ماخوذ ہے، وہ آخری درجہ ہے جس کے بغیر انسانی زندگی ختم ہو جائے یا انسان کے کسی عضو کے تلف ہونے کا یقین پیدا ہو جائے، صرف اسی آخری درجہ کے پائے جانے کی صورت میں وہ حرام اشیا حلال اور بعض معاصی مباح ہو جاتے ہیں، جن کے ذریعہ زندگی ختم ہونے سے بچائی جا سکتی ہے۔

ضرورت، سے کم درجہ حاجت کا ہے، جس میں حرام کو حلال تو نہیں کیا جاتا، لیکن عبادات میں ترک تخفیف یا بدل مشروع ہو جاتا ہے۔

علامہ حموی فرماتے ہیں:

ههنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة و زينة وفضول فالضرورة بلوغه حداً ان لم يتناول الممنوع هلك او قارب وهذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم ..... الخ (حاشیہ حموی علی الاشباہ

والنظائر ۱۲۶ھ)

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ قاعدہ رابعہ میں المشقۃ تجلب التیسیر کے تحت مشقت کی تین قسمیں، عظیمہ، متوسطہ اور خفیفہ بیان کرتے ہوئے عظیمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

خوف علی النفوس والاطراف ومنافع الاعضاء، اور متوسطہ کے لئے، زیادۃ مرض اور بطوء برء (صحت میں دیر لگنا) اور متوسطہ کا حکم بیان کرتے ہیں، فیجوز له الفطر وھکذا فی المرض المسح للمتیمم (الاشباہ والنظائر ص۱۱۱) نیز ص۱۲۴ پر یہ اصولی جزئیہ پیش فرماتے ہیں جاز ترک الواجب للمشقۃ (ای المتوسطۃ) ولم یسامح فی الاقدام علی المنہیات خصوصاً الکبائر، نیز اسی بحث کو بدائع الصنائع میں اکراہ کے تحت بیان کیا گیا ہے، کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں:

نوع یوجب الالجاء والاضطرار طبعاً کالقتل والقطع والضرب الذی یخاف فیه تلف النفس او العضو، یہ اکراہِ تام ہے، دوسری قسم اکراہ ناقص کی ہے:

لوع لا یوجب الالجاء والاضطرار وھو الحبس والقید والضرب الذی لا یخاف فیه التلف (بدائع ص۱۷۵ ج۷)، ان دونوں قسموں کا حکم یہ بیان فرماتے ہیں، اما النوع الذی ھو مباح تاکل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وشرب الخمر، اذا کان الاکراہ تاماً بان کان یوجد التلف لان ھذہ الاشیاء مما تباح عند الاضطرار وانه تحقق الاضطرار بالاکراہ وان کان الاکراہ ناقصاً لا یحل الاقدام علیه۔ (بدائع ص۱۷۶ ج۷)

خلاصہ یہ کہ ان سب حضرات کی عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ اضطرار

اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسانی جان ختم ہونے کا یقینی خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا یقین ہو، اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ محض مرض بڑھ جانے کا خوف حرام اشیاء کے استعمال کے لئے وجہ جواز نہ بن سکے گا۔

اضطرار کا مفہوم متعین ہو چکنے کے بعد اب تبدیلی اعضاء کے مسئلے پر غور کرنا چاہئے، اس میں دو احتمال ہیں۔

(١) زندہ انسان کے اعضاء دوسرے انسان کے جسم میں استعمال کئے جائیں۔

(٢) مردہ کے اعضاء استعمال کئے جائیں۔

پہلی صورت کا ممنوع ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ الضرر لا یزال بالضرر، اور الضرر لا یزال بمثلہ (الاشباہ ص۱۲۱) جیسے مسلمہ بلکہ بدیہی قواعد کے خلاف ہے نیز مساوات بنی آدم کے تقاضے سے بھی اس کی گنجائش نہیں۔

علاوہ ازیں جن فقہاءؒ نے حالت اضطرار میں اشیاء محرمہ کا استعمال جائز بتایا ہے وہ بھی حالت اضطراری میں انسانی جسم اور اعضاء کے اکل و اخذ کو حرام بتاتے ہیں، وان قال له آخر اقطع یدی وکلها لا یحل لان لحم الانسان لا یباح فی الاضطرار (رد المحتار ص۲۱۹ جلد ۵) بلکہ یہاں تک فرماتے ہیں: لا یأکل المضطر طعام مضطر آخر ولا شیاء من بدنہ۔

(الاشباہ والنظائر ص۱۲۲)

اسی بناء پر "مکرہ" کو اکراہ تام کی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے شخص کا کوئی عضو کاٹ ڈالے خواہ اس کی اجازت ہی کیوں نہ دے، اما النوع الذی لا یباح ولا یرخص بالاکراہ اصلاً فهو قتل المسلم بغیر حق سواء کان الاکراہ تاماً او

ناقصاً وکذا قطع عضو من اعضائه ولو اذن المکرہ علیه فقال للمکرہ افعل لایباح له ان یفعل لان هذا مما لا یباح بالاباحة،

(بدائع صد ۱۷۷ جلد ۷)

اب ان تمام عبارات واصول سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے، کہ زندہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اب رہا مردہ انسان کے اعضا کا معاملہ تو وہ بھی انہیں دلائل سے صاف ہو جاتا ہے، اس طرح کہ احترام انسانیت کا اصول زندہ و مردہ دونوں کے بارے میں ہے، جو احادیث سے مستفاد ہوتا ہے، مثلاً اذی المومن فی موته کأذاه فی حیاته (ابن ابی شیبہ) اور کسر عظم المیت ککسرہ حیاً (ابوداؤد جلد ۲ و موطا امام مالک صد ۱ نیز مسند احمد و ابن ماجہ) چنانچہ علماء نے احادیث سے یہی مطلب سمجھا بھی ہے، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں فرمایا ہے: حاصله ان عظم المیت له حرمة مثل حرمة الحی .... فکان کاسرہ فی انتهاك الحرمة ککاسر عظم الحی .... اور مشہور مالکی فقیہ علامہ باجی لکھتے ہیں یرید ان له من الحرمة فی حال موته مثل ماله من حال حیاته وان کسر عظامه فی حال موته یحرم کما یحرم کسرها حال حیوته، اور شارح موطا زرقانی فرماتے ہیں للاتفاق علی حرمة فعل ذالك به فی الحیوت والممات (اوجز المسالک صد ۔۔۔) مزید یہ کہ مردہ کا کوئی عضو کاٹ کر علیحدہ کرکے مثلہ ہونے کی وجہ سے ایک اور محظور شرعی کے ارتکاب کا موجب بھی ہے، مذکورہ بالا نقول سے یہ حکم تمام علماء امت کے درمیان متفق علیہ معلوم ہوتا ہے، معجم فقیہ ابن حزم الظاہری کی عبارت بھی اس کی مؤید ہے، اکل المحرمات وشرابه عند الضرورة حلال حاشا الحرم بنی

آدم وما لقتل من تناوله فلا يحل من ذالك شئ (معجم ابن حزم ص۴۵)

ان دلائل کے پیش نظر سوال نمبر ۱، ۲، ۳ کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی صورت جائز نہیں۔

کسی چیز کے انتفاع کا جواز اس کی بیع کے جواز کو مستلزم نہیں ہے،

لا یجوز بیع شعر الخنزیر لانہ نجس العین فلا یجوز اما انہ لہ ویجوز الانتفاع للخرز (ہدایہ ثالث ص۴۶) اور علامہ شامی بعض کے حوالہ سے سوالنامہ میں انتفاع اور بیع کے جواز میں تلازم بتایا گیا ہے، انہوں نے یہ جزئیہ ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ اور متعدد جزئیات ہیں، مثلاً عن الامام ان الانتفاع بالقدرۃ جائز مع انہ لا یجوز بیعہ (شامی ص۱۳۱ ج۴) اسی وجہ سے علامہ ابن عابدینؒ کو درمختار میں بیان کردہ قاعدہ ان جواز البیع یدور مع الانتفاع پر حسب ذیل کلام کرنا پڑا۔ یرد علیہ شعر الخنزیر فانہ حل الانتفاع بہ ولا یجوز بیعہ وقد یجاب بان حل الانتفاع بہ للضرورۃ والکلام عند عدمہا، اس سے بھی یہی مفہوم ہوا کہ ضرورتاً جن چیزوں کے استعمال کی گنجائش شریعت میں دی گئی ہے ان کی بیع کا جواز لازمی نہیں ہے ہاں اگر وہ چیز ضرورت کے وقت بغیر قیمت کے نہیں ملتی ہو تو اضطرار کی حالت میں قیمتاً خریدنا بھی جائز ہوگا، مگر وہ قیمت حلال نہ ہوگی۔ جیسا کہ شعر خنزیر کے سلسلے میں فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا ہے،

فلو لم یوجد الا بالشراء جاز الشراء (فتح القدیر ص۲۰۲ جلد۵) اور درمختار میں مفید اضافہ کے ساتھ یہ مسئلہ ملتا ہے، لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورۃ وکرہ البیع فلا یطیب ثمنہ (ردالمختار ص۱۳۳ ج۴)

اس پر قیاس کرتے ہوئے صورت مسئلہ کا بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ

اضطرار کی حالت میں انسانی خون اور اس جیسی دیگر اشیائے محرّمہ کا استعمال جائز ہے، مگر خرید و فروخت جائز نہیں، البتہ اگر بوقت ضرورت یہ اشیاء بلا قیمت نہ مل سکیں تو ضرورت مند کے لئے قیمت دیکر بھی ان کا استعمال کرنا جائز ہوگا مگر قیمت لینا درست نہ ہوگا۔

مسائل حاضرہ

تحریر از مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند

سوالات:

اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن نے اپنی سالانہ میٹنگ کے موقع پر "مریضوں کی تشویشناک نگہداشت" پر اخلاقی لیکچر دینے کے لئے ستمبر ۱۹۸۳ء میں مجھے مدعو کیا ہے۔ جب کہ اس سلسلہ میں طبی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے میرے پاس کافی ذخیرہ ہے، لیکن تشویشناک طور پر بیمار افراد کے ضمن میں انتظام کرنے کے لئے اخلاق اور مذہبی رہنمائی کرنے والی معلومات بہت کم ہیں، مثال کے طور حوالہ دیتے ہوئے ایسے مریضوں کی نگہداشت کے سلسلے میں مذہبی رہنما اصول کیا ہیں جیسے:

(۱) تقریباً مردہ بیمار جن کو مصنوعی امداد حیات سے زندہ رکھا جا رہا ہے۔

(۲) زندگی برقرار رکھنے کے لئے مصنوعی اعضاء کی منتقلی۔

(۳) حاملہ عورت کی جانچ کرنے پر رحم میں سے زندہ بچہ کو نقص ساخت کی بناء پر ضائع کرنا۔

(۴) محدود وسائل کا استعمال مثلاً خون برائے بیماراں جن کو نقل الدم کی متواتر ضرورت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر جگر کی ان بیماریوں میں مبتلا افراد جن کے معدے اور آنتوں سے خون کا اخراج ہوتا ہے، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ مشکل سوالات ہیں اور ان کے واضح جوابات نہیں ہیں لیکن اس میدان میں آپ مستند طور پر مجاز ہیں، اس لئے اس مشکل موضوع پر میں آپ کے خیالات کی، رہنما اصولوں کی طرح قدردانی کروں گا۔

المستفتی

ڈاکٹر محمد فاروق احمد، مقیم حال امریکہ
معرفت جناب غلام حسن خان (ریٹائرڈ) چیف انجنیئر
خان منزل، برزلہ، سرینگر

جواب نمبر :

الجواب ھو الموفق للصواب :

(۱) یہ کائنات انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور دنیا کی تمام چیزوں کو انسان کیلئے مسخر بنایا گیا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرے " هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً " مگر خود انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا۔ " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ " اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے " اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامْ " اس میں انسانوں کی راحت و عافیت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، ایک حدیث قدسی میں بندوں کی بیماری کو اللہ تعالیٰ کے بیمار ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح انسانوں کے فاقہ، پیاس کو رب العالمین کی بھوک پیاس سے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انسان بیماروں کی عیادت کرتا تو وہ وہاں مجھے پاتا، مگر اس کے ساتھ بلا وجہ شرعی کسی انسان کے قتل کو ساری کائنات انسانی کا قتل قرار دیا ہے۔

مَنْ قَتَلَ النَّاسَ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۔

لطف وکرم کی جس قدر تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ہے کہیں اور نہیں، ارشاد نبوی ہے: من لا یرحم الناس لا یرحم اللہ" اسی کے ساتھ کسی مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا لا یتمنین احدکم الموت من ضرٍ اصابہ۔ (بخاری ومسلم)

سخت سے سخت اور ناکارہ سے ناکارہ مریض کو مار ڈالنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ بلکہ مایوس مریض کے دوا وعلاج کی تاکید ہے، اور مضطر کو مجبوری کے عالم میں جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت حرام اشیاء تک استعمال کی اجازت دی گئی ہے وہ مردار کھا سکتا ہے اور شراب پی سکتا ہے " فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربك غفور رحیم (الانعام ۱۴۶)

فقہا لکھتے ہیں کہ حرام اشیاء میں شفا یقینی ہو اور دوسرا علاج اس کے سوا نہ ہو تو علاجاً ان کا استعمال جائز ہے " وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للانسان وعلیہ الفتوی (درمختار)

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تشویشناک بیماریوں کے لئے دین قیم میں علاج اور دوا کی صرف گنجائش نہیں بلکہ تاکید ہے کہ اس کی پورے طور پر دیکھ بھال ہو، دلداری ہو، علاج ہو اور حتی الوسع اس کی صحت اور حیات کی بقا کی بھرپور جد وجہد کی جائے۔ لہٰذا جو مرنے کے قریب ہو، اگر کسی طریقہ سے اس کو زندہ رکھا جا سکتا ہو تو شریعت میں اس کی اجازت ہو گی، اور جس حد تک وہ مصنوعی امداد حیات کی مدد سے زندہ رہ سکتا ہے رکھنا چاہیئے۔ جب زندگی کی خاطر بقدر ضرورت حرام اشیاء کی شریعت اجازت دیتی ہے اور قرآن پاک کہتا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ
اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ
فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ
غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (الانعام ۱۴۵، ۶۳)

یہاں مناسب ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے جو تفسیری ترجمہ کیا ہے وہ نقل کر دیا جاتے وہ فرماتے ہیں "آپ کہہ دیجیے کہ جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان کے متعلق جو کچھ احکام میرے پاس آتے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لیئے جو اس کو کھاوے خواہ مرد ہو یا عورت مگر ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں وہ یہ کہ وہ مردار جانور ہو یعنی باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا ذبح شرعی مر جائے یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ خنزیر بالکل ناپاک ہے اس لئے اس کے سب اجزا نجس اور حرام ہیں ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے یا جو جانور وغیرہ شرک کا ذریعہ ہو اس طرح کہ بقصد تقرب غیر اللہ نامزد کر دیا گیا ہو، تو وہ یہ سب حرام ہیں۔ پھر بھی اس میں اتنی آسانی رکھی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت بے تاب ہو جاتے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قدر ضرورت و حاجت سے تجاوز کرنیوالا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ واقعی آپ کا رب اس شخص کے لئے غفور رحیم ہے کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا۔

قرآن پاک میں اس مضمون کی یہ آیتیں بھی ہیں:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ (سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۳)

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ)

(۲) کبھی انسان کو زندگی سے ہمکنار کرنے کے لیے اعضاء کی منتقلی کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ اعضاء کا بدلنا، جمادات، نباتات اور حیوانات کے ذریعہ ہو تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ مثلاً انسان کا گردہ نکال کر پلاسٹک کا گردہ لگادیا جائے۔ کسی ایسے جانور کے اعضاء سے بدل دیا جائے جن کا کھانا جائز ہے یا جن جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے ان کا وہ حصہ لے کر لگادیا جائے، جن کو شریعت نے پاک قرار دیا ہے یا سونا، چاندی جن کا استعمال مرد کے لیے جائز ہے اس سے کام لیا جائے، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد میں حدیث ہے کہ ایک صحابی عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک زمانہ جاہلیت میں ایک جنگ میں کٹ گئی تھی انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی تھی جب اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ سونے کی ناک بنوا کر لگائیں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد الرحمٰن عن طرفة ان جده عرفجة بن اسعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذ انفاً من ورق فانتن عليه فامره النبي صلى الله عليه وسلم فاتخذ انفاً من ذهب۔ (ابوداؤد ص۲۲ جلد۲)

فقہاء اسلام نے لکھا ہے نجس العین جانور (خنزیر) کو چھوڑ کر مابقیہ ماکول اللحم جانور جن کا گوشت کھانا جائز ہے یا جن کا گوشت کھانا شرعاً جائز نہیں ان کو باضابطہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے اور ان کے اعضاء کو لیکر انسان کے عضو میں جوڑ دے تاکہ انسان اذیت و تکلیف سے چھٹکارا پالے یا اس کی زندگی

بچ جائے، یا انسانی جسم کی صلاحیت میں اس کی وجہ سے اضافہ ہو تو یہ جائز و درست ہے، ماکول اللحم یعنی جن جانوروں کا گوشت جائز ہے۔ ان کا فسخ کرنا بھی جائز ہے۔ اس لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، رہا غیر ماکول اللحم یعنی جن جانوروں کا گوشت شرعاً کھانا جائز نہیں ہے اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں:

وما طهر به ای بدباغ طهر بذکاة علی المذهب (درمختار)
خرج الخنزیر فانه لا یطهر بالذکاة ولان الذکاة لا تعمل فی الخنزیر والآدمی (ردالمحتار)

مردہ جانوروں کے بھی بعض اجزاء شرعاً پاک ہیں جیسے ہڈی وغیرہ ان کا استعمال بھی درست ہوگا " وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذهب وعظمها طاهر ۔ (درمختار)

نجس العین خنزیر ہے جس کے کسی عضو کی پیوند کاری مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے " لا یطهر الخنزیر لانه نجس العین بمعنیٰ ان ذاته بجمیع اجزائه حیا ومیتاً ۔ (درمختار)

البتہ زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ فی الاشیاء المنفصل من الحی کمیتة (درمختار)

ای مما تحله الحیاة کما مر والمراد الحی حقیقة و حکما۔ احتراز عن الحی بعد الذبح وفی الحلیة عن سنن ابی داؤد والترمذی وابن ماجة وغیرها حسنه الترمذی ما قطع من البهیمة وهی حیة فهو میتة ۔ (ردالمحتار صفحہ ۱۵۲ جلد ۱)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ زندہ جانور کا جب کوئی حصہ اسکے زندہ

رہتے ہوئے کاٹا جائے تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔ باقی سوال زندہ یا مردہ انسان کا کوئی حصہ کاٹ کر ایک کا دوسرے میں لگانا اس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں ملتی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑا مکرم و محترم ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ انسانی جان کی شریعت اسلامیہ میں بڑی قدر و قیمت ہے اس جان کی بقاء کے لئے اوپر نقل کیا جا چکا ہے کہ حرام اشیاء تک کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر خود انسان کے کسی حصہ جسم کے استعمال کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، فقہاءؒ نے صراحت کی ہے اگر کوئی دوسرے سے کہے میرا فلاں حصہ جسم کاٹ کر کھاؤ تو اس کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا انسان کا گوشت حالت اضطرار میں مباح نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کی حرمت کا یہی تقاضا ہے وان قال له اقطع يدي وكلها لا يحل لان لحم الانسان لا يباح في الاضطرار لكرامته، (رد المحتار کتاب باب الحظر والاباحۃ ج۵ ص۲۵۶)

جب مضطر کو اس کی اجازت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کا مرجانا برداشت ہے مگر انسان کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس پر قیاس کر کے یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک انسان کا کوئی حصہ علیحدہ کر کے دوسرے انسان کے جسم میں لگانا بھی درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی انسان کی بے حرمتی ہے جسے اسلام برداشت اور گوارا نہیں کرتا فقہاءؒ لکھتے ہیں:

بطل بيع صبي وشعر الانسان لكرامة الآدمي ولو كافراً ذكره المصنف ۔ (در مختار)

قوله "شعر الانسان" ولا يجوز الانتفاع به بحديث لعن الله الواصلة والمستوصلة ۔ قوله ذكره المصنف حيث قال والآدمي مكرم شرعاً وان كان كافراً فايراد العقد

علیہ ۔ وابتذالہ بہ والحاقہ بالجمادات اذلالہ ای
وھو غیر جائز ۔ (رد المحتار صفحہ ۱۴۵ ج ۲)

یعنی آدمی کا بچہ فروخت کرنا باطل ہے اور اسی طرح انسان کے بال بیچنا بھی باطل ہے اس کی وجہ آدمی کا قابلِ احترام ہونا ہے گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی انسان کے بالوں سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کی بنیاد اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت پر لعنت کرے جو اپنے بال دوسری عورت کو دیدے اور اس پر جو وہ بال لے کر اپنے بال میں ملائے پھر آدمی کی طرف مکرمت شرعاً ثابت ہے خواہ اس کا مذہب اور دھرم کچھ بھی ہو تو اس کی بیع و شرا اس کو بے قیمت کرنا اور جمادات میں شامل کرنا اس کی تذلیل کے مترادف ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم بھی فتویٰ دیتے ہیں کہ مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مرتے وقت یہ کہے کہ مرنے کے بعد میرے اعضاً نکال کر دوسرے ضرورت مند انسان کو لگانے کی اجازت ہے یا میرے ایسے کارآمد اعضاً ایسے بینک کے سپرد کر دیئے جائیں جہاں مردے کے کارآمد اعضاً کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ بھی انسان کی بے حرمتی کا باعث ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے اعضاً قیمتاً دینے کی وصیت کر جائے یا بلاقیمت، اور اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان مرتے وقت ایسا کہہ بھی جائے تو اس کے مرنے کے بعد اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس نعش کی حفاظت اس کے وارثوں اور دوسرے مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہوگی، مسلمانوں کی نعش کا مرنے کے بعد چیر پھاڑ کرنا یا اس کا بیچنا حرام ہے۔ فقہاءؒ نے صراحت کی ہے ولذا المعجز کسر عظام میت کافر ۔ (رد المحتار باب البیع الفاسد صفحہ ۱۴۵ ج ۴)

کافر کی لاش کی ہڈی کا توڑنا بھی اس احترام آدمیت کی وجہ سے جائز قرار نہیں دیا گیا ہے۔ جب کافر نعش کے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہے تو پھر مسلمان نعش کے ساتھ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے:

حدیث بھی ہے "کسر عظام المیت ککسر عظم الحی او کما قال"۔
مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ اسلام میں خودکشی بھی حرام ہے قرآن میں ہے:

"وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"

حدیث میں بھی سخت ممانعت آئی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردی فیھا خالداً مخلداً فیھا ابدا ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابدا۔ ومن قتل نفسہ بحدید تہ فحدیدتہ فی یدہ یتوجأ بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً متفق علیہ۔

(۳) بچہ کے ضائع کرنے کے سلسلہ میں فقہاء لکھتے ہیں:

وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشھر ولو بلا اذن الزوج۔ (در مختار)

قال فی النھر بقی ھل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم یباح مالم یتخلق منہ شئی ولن یکون ذالک الا بعد مائة وعشرین یوماً وھذا یقتضی انھم

ارادوا بالتخليق نفخ الروح الخ واطلاقهم يفيد عدم توقف جواز اسقاطها قبل المدة على اذن الزوج ۔ (ردالمحتار)

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی معقول عذر ہو، جیسا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اگر اسقاط حمل نہ ہوا تو عورت کی زندگی خطرہ میں گھر جائے گی، یا بچہ مثلاً ناقص ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، کسی آلہ کے ذریعے معلوم ہو گیا ہو یا کوئی اس طرح کا عذر ہو تو اسقاط حمل کی فقہاء اجازت دیتے ہیں۔ مگر اس کے لئے وہ یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ یہ عمل نفخ روح سے پہلے ہو سکتا ہے جس کی مدت انہوں نے حکماء کے مشورہ سے چار ماہ مقرر کی ہے یعنی ایک سو بیس دن حمل پر گزرنے سے پہلے اسقاط کرانے کی اجازت ہوگی، اس کے بعد نہیں۔

بلا عذر اس کی بھی اجازت نہیں ہے اس زمانہ کے عذروں میں لکھا ہے:

ومن الاعذار ان ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لابي الصبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاكه ونقل عن الذخيرة لو ارادت الالقاء قبل مضى ومن ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذالك ام لا، اختلفوا فيه وكان الفقيه على بن موسى يقول انه يكره فان الماء بعد ما وقع فى الرحم مآله الحياة فيكون له حكم الحياة الخ قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر او انها لا تأثم اثم القتل ايضاً ۔ (ردالمختار صلا۳۸ ، جلد ۲)

جب نطفہ عورت کی بچہ دانی میں پڑ جاتا ہے اور حمل قرار پکڑ جاتا ہے

تو عادتاً اس سے اسی کی توقع ہوتی ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوگا۔ لہٰذا بعد وقوع حمل ضائع کرنا بچہ کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور کسی جان کا ضائع کرنا گو مآلاً ہو عقل اور انسانی فہم کے خلاف ہے۔ ہاں معقول عذر ہو تو جب تک جان نہیں پڑتی ہے استقاط کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ اس سے زندہ بچہ کا ضائع کرنا لازم نہیں آتا ہے۔

جان پڑ جانے کے بعد حمل کے استقاط کی فقہاءؒ کے ہاں اجازت نہیں ملتی ہے۔ جس کی مدت وہ چار ماہ بتاتے ہیں۔ لیکن اب جب کہ ایسے آلات جدیدہ سامنے آ رہے ہیں کہ ان سے پیٹ کے اندر کا حال بعد تجربہ یقین نہیں تو غالب ظن کے درجہ میں معلوم کر لیا جاتا ہے

اگر چند ڈاکٹر یقینی طور پر یہ بتائیں کہ بچہ ناقص الاعضاء ہے پیدا ہونے کے بعد وہ یا تو زندہ نہیں رہے گا یا رہے گا تو ساری زندگی بے کار بن کر ماں باپ پر بوجھ رہے گا اور ماں باپ اسے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے غمگین ہوں گے تو اور کڑھیں گے تو پیٹ میں اس کے ضائع کر دینے کے مسئلہ پر اس دور کے علماء کو غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا۔ تنہا کسی ایک طالب علم کی رائے اس سلسلہ میں معتبر قرار نہیں پائے گی۔

ماں کے پیٹ میں بچہ کی زندگی یا اس کا ناقص الاعضاء ہونا یہ سب تخمینی فیصلہ ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جب تک بچہ پردہ خفا میں ہے یقیناً وہ اس بچہ سے مختلف ہے جو دنیا میں قدم رکھ چکا ہے، اس کا زندہ ہونا ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے اور اس کی زندگی کی حفاظت شرعی اور قانونی فرائض میں داخل ہے۔

جس طرح ماں کے پیٹ کا بچہ جو ناقص الاعضاء ہے اس کے ضائع کرنے کی بات کی جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں جو مریض مایوس

العلاج ہوں۔ ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر دیا ہو کہ یہ صحت یاب نہیں ہوگا۔ یا زندہ رہے گا مگر ایسے ناقص الاعضاء انسان کا زندہ رہنا خود اس کے لیے سخت موجب اذیت ہوگا جو نہ چل پھر سکے گا نہ کام کاج کر سکے گا اور ہر وقت اذیت میں مبتلا رہے گا کیا ایسے زندہ انسان کو بذریعہ انجکشن موت تک پہنچا دینا جائز ہوگا؟

فقہاء اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

فان ترك الاكل والشرب حتى هلك فقد عصى۔ (رد المحتار)

کسی کا کھانا پینا ترک کر دینا تا آنکہ وہ ہلاک ہو جائے، عصیان میں داخل ہے۔ اور خودکشی کے مترادف ہے اور یہ فعل حرام ہے۔

البتہ اگر کوئی مایوس العلاج بیمار علاج بند کر دے اور وہ اس ترک دوا کی وجہ سے مر جائے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ علاج سے صحت کا یقین نہیں ہوتا ہے، بخلاف من امتنع عن التداوي حتى مات اذ لا يتيقن بانه يشفيه - ايضاً

(۴) ایک انسان کا خون لے کر دوسرے انسان کے جسم میں پہنچانے کے علماء امت نے بوقت مجبوری اجازت دی ہے۔ قاعدہ میں یہ خون انسان کا جزء ہے اور جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو ناپاک اور نجس کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اسلام کے قانون میں انسان کی عظمت و کرامت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی حصہ بیچنا درست نہیں ہے اور اس میں عدم جواز کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ناپاک و نجس کا استعمال بھی درست نہیں ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے مگر حالت اضطرار میں انسانی جان کی خاطر اس کی علماء نے اجازت دیدی ہے اس مسئلہ کو انہوں نے دودھ پر قیاس کیا ہے۔ دو سال کی عمر تک کا پینا بچہ کے لئے جائز ہے کہ قدرت نے اسکی طبعی غذا اسکو بنایا ہے۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (بقرۃ) یہ قرآن کا حکم ہے کہ ماتیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اسی کے ساتھ بطور دوا اڑوں کے لئے بھی اس دودھ کے استعمال کی اجازت دی ہے ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء (عالمگیری)

جب دودھ جو جزء انسانی ہے اس کا استعمال بطور دوا جائز قرار دیا گیا ہے تو اسی طرح بطور دوا جب کہ اس کا بدل کوئی نہ ہو اور جان کا خطرہ ہو یا صحت کے برباد ہو جانے کا، تو ایسی مجبوری میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں ڈالا جا سکتا ہے لیکن اسی طرح خون حاصل کرنا ہوگا کہ دوسرا انسان جو خون دے رہا ہے اس کی جان خطرہ میں نہ پڑنے پائے، اور حالت اطمینان میں آدمی خون بیچ بھی سکتا ہے اور خرید بھی سکتا ہے۔ فاما لبن الآدمیات فقال احمد اکرھہ واختلف اصحابنا فی جوازہ فظاھر کلام الخرقی جواز لقولہ وکل نیہ المنفعۃ وھذا قول ابن حامد و مذھب الشافعیؒ وذھب جماعۃ من اصحابنا الی تحریم بیعہ وھو مذھب ابی حنیفۃؒ لانہ مائع خارج من آدمیۃ فلم یجز بیعہ کالعرق و لانہ من آدمی فاشبہ سائر الاجزاء والاول اصح لانہ لبن طاھر فینتفع بہ فجاز بیعہ کلبن الشاۃ ولانہ یجوز اخذ العوض عنہ فی اجارۃ الظئر فاشبہ المنافع ویفارق العرق فانہ لا ینتفع فیہ (المغنی لابن قدامۃ) وعن ابی یوسفؒ یجوز بیع لبن الامۃ وقال الشافعیؒ یجوز بیعہ ای لبن المرأۃ لانہ مشروب طاھر (ہدایہ)

اس کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی کے دودھ بیچنے میں اختلاف ہے مگر

۔ بحث و مباحثہ کے بعد فقہاء نے بوقتِ ضرورت بیچنے کو ترجیح دی ہے۔ موجودہ زمانہ کے علماء نے اس مسئلہ پر قیاس کرکے خون کی فروختگی کو بھی بحالتِ مجبوری جائز قرار دیا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ نفس خون کی بیع کے سلسلے میں صراحتاً کوئی جزیہ اور نہیں مل سکا ہے اور نئے مسائل میں دوسرے مسائل پر قیاس کرکے ہی حکم لگایا جاسکتا ہے خون کی منتقلی کے جواز پر علماء اسلام کا تقریباً اتفاق ہو چکا ہے۔

جو اس وقت ذہن میں آیا اور جس قدر فوری طور پر حوالے مل سکے وہ نقل کر دیئے گئے۔ امید ہے کہ اس سے بڑی حد تک آپ کو روشنی مل سکے گی اور مذہب اسلام کا نقطۂ نظر سامنے آسکتا ہے۔ آپ کو جہاں کوئی اشکال یا شبہ ہو تحریر فرمائیں۔

جواب از مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب

دارالافتاء دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں

کہ آج کل اعضاء انسانی کی پیوندکاری کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے، پاکستان اور ہندوستان کے اکثر علماء انسانی کی پیوندکاری کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان کا رسالہ "اعضاء انسان کی پیوندکاری" کا اس کے لئے ثبوت پیش کرتے ہیں، لیکن بعض جدید طبقہ اعضاء انسان کی پیوندکاری کو جائز بتلاتے ہیں وہ مصر، سعودی عرب، اردن کے علماء کے فتاویٰ کو حوالہ میں پیش کرتے ہیں، اور ان کے فتاویٰ کا اردو ترجمہ "پاکستان آئی بینک نے اپنے رسالہ" اجالہ "شمارہ نمبر ۱۰ اپریل تا اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شائع کیا ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنی جدید تحقیق سے آگاہ فرمائیں گے۔ اور ان فتاویٰ سے جناب والا کو اگر اختلاف ہے تو ان کے جواب عنایت فرمائیں گے، فقط

محمد جمیل خان
ماہنامہ "اقراء" کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد: ہم نے رسالہ "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" تالیف حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کا از سر نو جائزہ لیا اور اس میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے ناجائز ہونے پر دیئے جانے والے دلائل پر غور کیا، دلائل کے لحاظ سے اور علمی و فقہی اعتبار سے ہمیں ان میں کوئی تسامح یا کسی طرح کی کوئی خامی یا کمزوری نظر نہیں آئی، لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کو ناجائز قرار دینا صحیح اور درست ہے۔

نیز انسانی اعضا کی پیوند کاری کے جائز ہونے کے سلسلے میں مصر، اردن اور سعودی عرب سے جو فتاویٰ شائع ہوتے ہیں جن کا اردو ترجمہ پاکستان آئی بنک نے اپنے رسالہ "اجالا" شمارہ ۷-۸ اپریل تا اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شائع کیا ہے ان پر بھی انفرادی اور اجتماعی غور و فکر کیا گیا، پہلے اس کا خلاصہ پھر کچھ تفصیل عرض کی جائے گی۔

خلاصہ۔

علمی اور فقہی اعتبار سے انسانی اعضا کی پیوند کاری کے جائز ہونے کے متعلق یہ فتاویٰ ہمیں درست معلوم نہیں ہوتے، کیونکہ ان فتاویٰ میں اعضاء انسانی

کی پیوند کاری کے متعلق جن دلائل سے استدلال کیا گیا ہے، ان میں بعض دلائل حقیقت میں دلائل ہی نہیں، بلکہ بذات خود وہ بھی دعویٰ ہیں، اور جو واقعی دلائل ہیں، اُن سے اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے جائز ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان دلائل کا اعضاء انسانی کی پیوند کاری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

قدرے تفصیل:

پہلے چند اصولی اور بنیادی باتیں تحریر کی جاتی ہیں، ان پر غور کرنے اور انہیں سمجھنے کے بعد ان کی علمی حیثیت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(۱) ان فتاویٰ اور دیگر مضامین میں بالخصوص سعودی عرب کی مجلس افتاء کے فتویٰ میں، انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کے لئے اس بات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ کہ قواعد شرع میں ضررِ خاص کو ضررِ عام کے مقابلہ میں برداشت کر لینا درست کہا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے، ایک نابینا آدمی کا ضرر ہے اور ایک میت کا ضرر ہے، ان میں نابینا کا ضرر میت کے ضرر کی نسبت زیادہ سخت اور اہم ہے۔ لہٰذا میت کے ضرر کو برداشت کیا جائے گا۔ جس سے واضح طور پر یہ غلطی سامنے آتی ہے کہ ان حضرات نے ضرر اصلاحی اور ضرر لفظی میں کوئی فرق نہیں کیا، لغۃً اور عرفاً جس کو ضرر کہا جاتا ہے، ان قواعد میں استعمال ہونے والے "ضرر" کو بھی اسی معنی میں لے لیا جو علمی اور فقہی اعتبار سے درست نہیں، کیونکہ ان قواعد میں ضرر سے اصطلاحی ضرر مراد ہے۔ اور اصطلاحی ضرر کی روشنی میں ان قواعد کے ذریعے انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے جواز پر استدلال کرنا غلط ہے، کیونکہ یہاں زندہ اور میت کے درمیان اصطلاحی ضرر موجود نہیں ہے۔ چنانچہ شرح المجلہ میں ضرر اور ضرار میں فرق بیان کرتے ہوئے ضرر کے معنیٰ میں ذیل دو قول

نقل کیے گئے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ الحاق مفسدۃ بالغیر مطلقاً۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الضرر ان یدخل علی غیرہ ضررا بما ینتفع

ھو بہ (شرح المجلہ ص۳۲ جلد ۱)

لہٰذا درج ذیل مادوں میں ضرر سے اصطلاحی معنیٰ مراد ہیں نہ کہ عرفی اور لغوی معنیٰ۔

لاضرر ولا ضرار، الضرر یزال، الضرر لایزال بمثلہ، یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام، الضرر الاشد یزال بالاخف، الضرر یدفع بقدر الامکان۔

(۲) قاعدہ: الضرورات تبیح المحظورات:

انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے جائز ہونے کے متعلق ان مضامین و فتاویٰ میں فقہ کے مذکورہ قاعدہ کو بھی بہت زیادہ بنیاد بنایا گیا ہے اور بغیر کسی قید و شرط کے اس کو استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ یہ قاعدہ ہرگز اتنا عام نہیں ہے کہ جہاں چاہیں اس کو استعمال کرلیں اور ہر ضرورت میں اسکو جاری کرلیں، بلکہ فقہاء کرامؒ نے اس کی کچھ حدود مقرر کی ہیں کہ کن کن مسائل میں یہ قاعدہ معتبر ہے اور اس سے استدلال کرنا درست ہے اور کن میں نہیں۔ (جیسا کہ عنقریب آتا ہے)

انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے جواز پر مبنی مضامین میں اس قاعدہ کے استعمال کا افسوسناک پہلو یہ بھی ہے یہ قاعدہ فقہ کا ایک اصطلاحی قاعدہ ہے، اس میں "ضرورت" سے خاص اصطلاحی معنیٰ یعنی اضطراری معنیٰ مراد ہیں نہ کہ لفظی اور عرفی معنیٰ، ان مضامین میں "ضرورت" کو عام عرفی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے جو سراسر غلط ہے۔

اور فتاویٰ میں گو اس قاعدہ کو بظاہر احتیاط سے استعمال کیا گیا ہے اور اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے جواز کو اضطرار و ضرورت میں جائز کہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اضطرار و ضرورت میں بھی انسانی اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں اور اس قاعدہ سے اس کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ انسانی اعضا کی پیوندکاری اس قاعدہ کی حدود سے خارج ہے۔

فی التشریع الجنائی: لیس للضرورة اثر علی جرائم القتل والجرح والقطع فلیس للمضطر بای حال ان یقتل غیرہ او یقطعہ او یجرحہ لینجی نفسہ من الھلکۃ ..... ومن المتفق علیہ ان الشخص الذی یحرم قتلہ او جرحہ او قطعہ ھو الشخص المعصوم اما المھدر فقتلہ مباح بل ھو واجب فی اکثر الاحوال۔

(ص ۵۷۸۔ ج ۱)

فی شرح المجلۃ: المادۃ ۲۱: الضرورات تبیح المحظورات ھذہ قاعدۃ اصولیۃ ماخوذۃ من النص وھو قولہ تعالیٰ "الا ما اضطررتم الیہ" والاضطرار الحاجۃ الشدیدۃ.. ..... ثم ھذہ الرخصۃ ثلاثۃ انواع .... ونوع لا یباح ولا یرخص اصلاً لا بالاکراہ التام ولا بخلافہ کقتل المسلم، او قطع عضو منہ بغیر حق، والزنا وضرب الوالدین اذ عرفت ھذا فھذہ القاعدۃ لا تتناول النوع الاخیر لانہ لا یباح بحال من الاحوال الخ (ص ۵۵، ۵۶۔ ج ۱)

(۳) اضطرار کی حالت میں اپنے یا کسی دوسرے انسان کا کوئی عضو کاٹنا، کھانا یا

اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں، اور جہاں اضطرار نہ ہو وہاں بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔

فی المبسوط: الا ترى أن المضطر كما لا يباح له قتل الانسان ليأكل من لحمه لا يباح له قطع عضو من اعضائه۔ (ص ۴۸ ج)

فی رد المحتار: ولو قال له آخر اقطع يدى و كلها لا يحل لان لحم الانسان لا يباح فی الاضطرار۔ (ص ۲۱۵ ج ۵)

فی الاشباه: لا يأكل المضطر طعام مضطر ولا شيأ من بدنه۔ (ص ۱۱۰ الفن الاول، القاعدة الخامسة)

فی فتاوى قاضی خان: كما لا يصح للمضطر۔ ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل۔ (۲ سو ۳ در حاشیہ عالمگیری ص ۳۶۴ جلد ۳)

فی البدائع: اما النوع الذى لا يباح ولا يرخص بالاكراه اصلا فهو قتل المسلم بغير حق سواء كان الاكراه تاماً او ناقصاً وكذا قطع عضو من اعضائه ولو اذن المكره عليه افعل لا يباح له ان يفعل لان هذا مما لا يباح بالاباحة (ص ۱۷۷ ج ۷)

فی التشريع الجنائى: ويحرم مالكؒ اكل لحم الانسان فی حالة الضرورة ولو كان مهدرا، فمن جاع حتى اوشك ان يهلك ولم يجد الا مهدرا فليس له ان يأكل من لحمه ما يرد جوعه سواء كان المهدر حياً او ميتاً، وهذا هو الرأى الراجح فی مذهب ابى حنيفةؒ ويجيز الشافعى واحمدؒ اكل لحم المهدر فی حالة الضرورة

سواء كان المهدر حياً او ميتاً ولياً فقهيا فى هذا لبعض الحنفية بل يبيح الشافعى وبعض الحنفية اكل لحم الميت المعصوم فى حالة الضرورة، لان حرمة الحى اعظم من حرمة الميت، اما احمدؒ فيحرم اكل لحم المعصوم الميت، ويبيح الشافعیؒ للمضطر ان يقطع من جسمه فلذة ليأكلها فى حالة الضرورة اذا ظن السلامة مع القطع ويخالفه فى هذا بقية الفقهاء (ص ۵۰۲، ۱۶)

خلاصہ یہ کہ انسان کے اعضاء کے استعمال کرنے میں انسان کی اجازت سے بھی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) اعضاء انسانی کی پیوندکاری کو جائز کہنے والے ایک یہ بات کہتے ہیں کہ مردہ انسان کے اعضاء بلاضرورت اور بے مقصد حاصل کرنا بلاشبہ اس کی اہانت ہے، لیکن اگر کسی واقعی ضرورت کے لئے یا کسی عظیم مقصد کے لئے اس کے اعضاء حاصل کئے جائیں تو اس میں کوئی اہانت نہیں، اور ہرگز یہ انسان کے احترام کے منافی نہیں، لیکن اس پر کوئی واضح اور محکم دلیل پیش نہیں کی گئی، اس کے برخلاف واضح تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ احترام انسانیت میں مردہ مثل زندہ کے ہے، کوئی فرق نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً۔ (رواہ مالکؒ صہ ۲۲۰ وابوداؤد صہ ۱۰۲ جلد ۲۔ ابن ماجہ صہ ۱۱۷ ومشکوٰۃ صہ ۱۴۹ جلد ۱)

وفی فیض القدیر: قال کسر عظم المیت ککسرہ عظم الحی فی الاثم کذا عن ام سلمةؓ یعنی ۵۵/۵۵۱)

فی المرقاۃ : (قولہ ککسرہ حیا) یعنی فی الاثم کما فی روایۃ قال الطیبیؒ اشارۃ الیٰ انہ لایہان میتا کما لا یہان حیا ۔ قال ابن الملکؒ (اشارۃ) الیٰ ان المیت یتألم (کما یتألم الحی) قال ابن حجرؒ ومن لازمہ انہ یستلذ بما یستلذ بہ الحی اھ وقد اخرج ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود قال أذی المومن فی موتہ کأذاہ فی حیاتہ ...... رواہ ابو داؤد وفائک .... وابن حبان فی صحیحہ اھ وقال ابن القطان سندہ حسن (مرقاۃ ص۸۹ ج۴) و (کذا فی بذل المجہود ص۲۰۹ ج۵، وکذا فی اوجز المسالک ۔ (ص۵۰۰ ج۲)

فی مشکل الآثار للطحاویؒ: عظم المیت لہ حرمۃ مثل حرمۃ عظم الحي لکن لاحیاۃ فیہ فکان کاسرہ فی انتہاک الحرمۃ ککاسر عظم الحی، وعدم القصاص والارش لانعدام المعنیٰ الذی یوجبہ من الحیاۃ ۔ (ص۱۰۹ ج۲) (وکذا فی اوجز المسالک ص۵۰۰ ج۲)

قال النوویؒ وقد فصلہ اصحابنا فقالوا ان وصلت شعرہا شعر آدمی فھو حرام بلا خلاف سواء کان رجل او امرأۃ وسواء شعر المحرم والزوج بلا خلاف لعموم الاحادیث لانہ یحرم الانتفاع بشعر الآدمی وسائر اجزائہ لکرامتہ بل یدفن شعرہ وظفرہ وسائر اجزائہ ۔ (ص۳۱ ج۱۰)

لہٰذا محدثینؒ وفقہاءِ کرام نے ضرورت کا جو مطلب بیان کیا ہے وہی معتبر ہوگا، بعد کے لوگوں کا کوئی نیا مطلب جس پر کوئی دلیل بھی موجود نہ ہو معتبر نہیں ہوگا ۔

⑤ مردہ یا زندہ انسان کے بال اور ہڈی وغیرہ کو استعمال کرنے کے حرام ہونے کی حضرات محدثین اور فقہاء کرام نے جہاں یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ ایسا کرنا تکریم بنی آدم کے خلاف ہے وہاں اس کی دو وجہ اور بھی تحریر فرمائی ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ انسان مبتذل ہے نہ مبتذل ۔

۲۔ دوسرے اس میں تغییر خلق اللہ ہے ۔

انسانی اعضاء کے استعمال کرنے میں بہرحال ان کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اس لئے بھی اعضاء انسانی کی پیوندکاری جائز نہیں ۔

قال فی الهداية : لا يجوز بيع شعور الانسان ولا الانتفاع به لأن الآدمی مكرم لا مبتذل فلا يجوز ان يكون شئ من اجزائه مهانا مبتذلا ۔ (ص ۲۹ ج ۳)

وفی العناية شرح الهداية وجلد الآدمی لکرامته لئلا يتجاسر الناس على من كرمه بابتذال اجزائه ص ۴۲ ج ۱

وفی الصحیح المسلم : عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة ۔ (ص ۲۰۵ ج ۲)

قال النووی فی شرحه : هذا الفعل حرام على الفاعلة والمفعول بها لهذه الاحاديث لانه تغيير خلق الله لانه تزوير وتدليس ۔ (حوالہ بالا)

⑥ ان حضرات کے مضامین وفتاویٰ میں، انسانی اعضا کی پیوندکاری کے جائز قرار دینے کی ایک یہ بھی دلیل دی گئی ہے کہ مردہ انسان کے اعضاء سے زندہ انسان کی تکلیف رفع کرنا علاج ہے اور شریعت میں محرمات سے علاج کی اجازت

دی گئی ہے، لہٰذا انسانی اعضاء کے ذریعے دوسرے انسان کا علاج کرنا جائز ہے۔ ان کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اجزاءِ انسانی اور اعضاءِ انسانی سے علاج ومعالجہ کے ناجائز ہونے کی فقہاء کرام رحمہم اللہ نے صاف صاف تصریح فرمائی ہے۔ (عبارات "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" صد۳۹ و صد۴۰ پر ملاحظہ ہوں، مولفہ مفتی شفیع صاحبؒ)

نیز فقہاء کرام رحمہم اللہ نے حرام اشیاء سے علاج کی اجازت دی ہے اور انسان نہ صرف حرام ہے بلکہ محترم بھی ہے، اس لئے محض حرام اشیاء پر حرام اور محترم شئے کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

(۷) مصر اور اردن اور سعودی عرب کے فتاویٰ میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کے لئے اضطرار و ضرورت وغیرہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ جب کہ دیگر مضمون نگاروں نے بطور خاص اس بات کو بنیاد بنایا ہے کہ انسان اپنی جان اور اپنے اعضاء کا اپنے دیگر اموال کی طرح مالک و مختار ہے، لہٰذا اپنے اعضاء کا ہدیہ اور عطیہ دینا اور مرنے کے بعد کسی دوسرے کے واسطے ان کی وصیت کرنا جائز ہے، اور دلیل کے طور پر بطور خاص دو باتیں پیش کی ہیں:

۱۔ آیت إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم الآیہ (برق)

۲۔ قرآن وحدیث میں ارشادات کی نصوص انسان کے اپنے جسم وجان اور اعضاء کے مالک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مضمون نگاروں نے محض عقلی اجتہاد سے کام لیا ہے جو سراسر باطل ہے، اور ان کے اس مفروضہ پر بے شمار علمی اعتراضات ہوتے ہیں۔ اور طرح طرح کے علمی اشکالات پیدا ہوتے ہیں جن کے تحریر کرنے کا یہ موقع نہیں، مختصراً ان دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے۔

اس آیت میں شراء حقیقۃً مراد نہیں ہے بلکہ مجاز کے طور پر ہے، حقیقی مالک

حق تعالیٰ جل شانہٗ ہی ہے، اور گو ہمارے اموال کا مالک بھی حقیقۃً تو حق تعالیٰ ہی ہے لیکن اموال کی طرح جسم و جان اور اعضاء میں تصرف کرنے کا انسان کو اختیار نہیں ہے، جیسا کہ دیگر نصوص اس پر شاہد ہیں۔

فی احکام القرآن للجصاص: آیت" اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ" اطلق الشری فیہ علیٰ طریق المجاز لان المشتری فی الحقیقۃ ھو الذی یشتری مالا یملک واللّٰہ تعالیٰ مالک انفسنا واموالنا ولکنہ کقولہ تعالیٰ (من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضاً حسنا) فسماہ شری کما سمی الصدقۃ قرضا لضمان الثواب فیھا بہ فاجری لفظہ مجری مالا یملکہ المعامل فیہ استدعاً الیہ وترغیباً فیہ۔ (ص ۱۹۴ ج ۳) و تفسیر روح المعانی ص ۲۶ ج ۱۱ و تفسیر قرطبی ص ۲۶۷ ج ۸)

دیت انسان کے جسم یا اس کے اعضاء کا عوض نہیں ہے بلکہ بطور تاوان اور جرمانہ کے اس کا وجوب ہوتا ہے تاکہ انسان کا خون اور اعضا کا مفت ضائع ہونا لازم نہ آئے۔ چنانچہ دیت کے بارے میں صاحب فتح القدیر نے فرمایا ہے:

فالاظھر فی تفسیر الدیۃ ما ذکرہ صاحب الغایۃ آخرا فانہ بعد ان ذکر مثل ماذکر فی المغرب وعامۃ الشروح قال والدیۃ اسم لضمان یجب بمقابلۃ الآدمی او طرف منہ۔

(فتح القدیر کتاب الدیات ص ۲۰۱ جلد ۸ مطبوعہ مصر) بدائع الصنائع میں اس کی مزید تفصیل ہے (ص ۵۸ جلد ۷)

انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک نہیں چند تصریحات

انسان کا اپنے اعضاء کا مالک نہ ہونے میں یہ دعا جو حدیث میں وارد ہے، بڑی صاف اور صریح ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اور دیگر تصریحات ملاحظہ ہوں:

اللهم ان نواصينا وجوارحنا لم تملكنا منها شيئا فاذا فعلت ذالك فكن انت ولينا واهدنا الى سواء السبيل

(مناجات مقبول منزل بروز منگل)

فی فتح الباری: تحت قوله (عذب به فی نار جهنم)

وهذا من باب مجانسة العقوبات الاخروية للجنايات الدنيوية ويؤخذ منه ان جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره فی الاثم لان نفسه ليست ملكا له مطلقا بل هی لله تعالى فلا يتصرف فيها الا بما اذن له فيه (ص ۱۵۲۹ ج ۱۱)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کو جائز قرار دینے والے مضمون نگاروں نے خودکشی کے حرام ہونے کی عقلی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایسا کرنے سے اس کے اعزا اور اقربا کو تکلیف ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ اپنی جان کا مالک نہیں، ان کی اس عقلی دلیل کا فتح الباری کی مذکورہ تصریح اور حدیث کی دعا سے باطل ہونا ظاہر ہے۔

آزاد انسان کی بیع کا باطل ہونا خود دلیل ہے انسان کے اپنے جسم و جان کے مالک نہ ہونے کی جس پر بے شمار نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات دلالت کرتی ہیں۔

انسان کا اپنے جسم و جان کے مالک ہونے پر چند اشکالات

اگر یہ بات تسلیم کی جائے کہ انسان اپنے جسم و جان اور اعضاء کا مالک ہے تو

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

(۱) دیت کا تعین منجانب الشرع نہ ہوتا، بلکہ انسان خود اس کا تعین کرتا

(۲) اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو تمام آزاد لوگوں کی ایک دیت نہ ہوتی فرق مراتب سے دیت میں فرق ہوتا۔

(۳) دیت کے بارے میں آزاد اور غلام کا کوئی فرق نہ ہوتا۔

(۴) دیت صرف قاتل پر ہوتی، اس کے خاندان اور دیگر متعلقین پر واجب الادا نہ ہوتی۔

(۵) اپنی زندگی میں بھی انسان کو اپنا جسم اور اعضا فروخت کرنے کا اختیار ہوتا جب کہ ان دونوں کی بیع باطل ہے۔

(۶) منسلکہ فتاویٰ اور دیگر مضامین میں مردہ انسان سے متعلق تحریرات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ان کی نظر میں مردہ انسان دیگر مردہ جانوروں کی طرح ایک لاشہ ہے، حالانکہ یہ بات نہیں، اس کی برزخی زندگی (جس کا اس دنیاوی جسم سے بھی کسی نہ کسی درجہ میں تعلق ضرور ہوتا ہے) اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلمات میں سے ہے۔ اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے، اس لئے اس کو عام مردہ جانوروں کی طرح سمجھنا اور ان کا سا معاملہ انسان کے ساتھ روا رکھنا درست نہیں، میت کے اعضاء کاٹنے سے میت کو تکلیف ہوگی، اور میت کو تکلیف سے بچانا زندہ آدمی کے نفع پر مقدم ہے، کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے

(۷) نیز انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے سلسلے میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اصل جلب منفعت ہے اور ظاہراً دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے محرمات کا ارتکاب درست نہیں، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہاں عدم النفع یا عدم استراحت ہے۔

غرضیکہ: خلاصہ ان تمام امور بالا پر غور کرنے سے یہی نکلتا ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد مسئلہ اوراق میں مصر، اردن اور سعودی عرب کے فتاویٰ پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔

مصری فتویٰ

(۱) مصری فتوی میں قرنیہ کی پیوندکاری کو الضرر الاشد یزال بالاخف اور اس کے ہم معنیٰ دیگر قواعد کی روشنی میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں سرے سے اصطلاحی ضرر ہی متحقق نہیں ہے، جس کا ازالہ کم ضرر سے کیا جائے، اس طرح اس مسئلہ میں اس قاعدہ کو بنیاد بنانا ہی غلط ہے جیسا کہ اوپر اصولی باتوں میں نمبر ۱ کے تحت لکھا جا چکا ہے۔

(۲) لاوارث کی لاش کی تنصیف کو فتویٰ میں "شرعی نقطہ نگاہ سے قانونی قرار دیا ہے جو سپرد خاک کرنے سے پہلے ہونا چاہئے" اس کو علی الاطلاق جائز قرار دینا کسی دلیل سے ثابت نہیں، محض بلا دلیل ہے اور اس پر قرنیہ نکالنے کو قیاس کرنا "بناء الفاسد علی الفاسد" ہے، اور مردہ عورت کے بطن سے زندہ بچہ کو نکالنے کے جواز پر اس کو قیاس کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے۔

(۳) زندہ کی بینائی کے پیش نظر مردہ کی آنکھیں نکالنے کو مردہ کی بے حرمتی نہ قرار دینا محض نادانی ہے، جب کہ اوپر اصولی باتوں میں نمبر ۳، ۴ کے تحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ زندہ کے اعضاء کا کھانا اور استعمال کرنا حالت اضطرار اور اکراہ تام میں بھی جائز نہیں اس کی حرمت کی وجہ سے جبکہ کرامت میں مردہ مثل زندہ کے ہے۔ دوسرے یہاں شرعی ضرورت بھی متحقق نہیں ہے، اس لئے یہ سب "بناء الفاسد علی الفاسد ہے"

④ قرنیہ کے حصول کو لاوارث لاش سے محدود کرنا محتاج دلیل ہے۔ استفسار میں اس پر کوئی دلیل نہیں دی گئی، اور اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ کیا لاوارث میت کا محض لاوارث ہونے کی وجہ سے احترام ختم ہو جاتا ہے اور کیا اس کا متبذل ہونا لازم نہیں آتا؟

⑤ جس میت کے ورثاء موجود ہوں وہاں ورثا کی اجازت پر آنکھیں نکالنے کو موقوف کرنا بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں، کیا ورثاء کی اجازت سے بے حرمتی یا اس کا متبذل ہونا لازم نہیں آتا؟

⑥ قرنیہ کا حصول شدید ضرورت پر موقوف کرنے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں دی، جب کہ اس میں شرعی ضرورت کا وجود ہی نہیں۔

حکومت اردن کی مجلس افتا کا متفقہ فیصلہ

① فتویٰ میں "اولاً" کہہ کر جو کچھ کہا گیا ہے وہ خود محتاج دلیل ہے پھر آگے چل کر اس کو جواز کی بنیاد بنانا اور بھی غلط ہے۔

② فتویٰ میں "ثانیاً" کہہ کر کچھ قواعد سے استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ "الضرورات تبیح المحظورات" "الضرورۃ لها احکام، الضرورات تقدر بقدرها" کو پیش کیا گیا ہے، لیکن یہاں ضرورت شرعی متحقق ہی نہیں اس لئے ان سے استدلال کرنا ہی درست نہیں جیسا کہ اوپر اصولی باتوں میں لکھا گیا۔ (شرح المجلۃ ص ۵۶، ج ۱، د ۲)

اور "المشقۃ توجب التیسیر و اذا ضاق الامر اتسع" کا تعلق ان احکام سے ہے جن میں رخصت ہے، جیسے لزوم، اکراہ، رق، حیض و نفاس، مرض و سفر وغیرہ موجودہ مسئلہ سے اس کا تعلق ہی نہیں ہے۔ اس لئے ان سے

استدلال صحیح نہیں ہے۔ (شرح المجلہ صفحہ ۴۸ و ۵۱ و ۵۲ جلد ۱ و ۲)

اور "لاینکر ارتکاب اخف الضررین" کا تعلق بھی پیوند کاری اعضاءِ انسانی سے نہیں ہے، کیونکہ یہاں ضرر اصطلاحی موجود ہی نہیں، یہاں جلبِ منفعت ہے یا زیادہ سے زیادہ عدم النفع ہے۔

آگے "تاثائیں مریضوں کا علاج کرنے کے لئے ... علماء متقدمین و متأخرین نے مردہ شخص کے پوسٹ مارٹم کو جائز قرار دیا ہے" یہ قول بلا دلیل ہے اس لئے معتبر نہیں۔

آگے چل کر مردہ ماں کے پیٹ سے زندہ بچہ نکالنے یا قیمتی شئے کے نکالنے کے جواز پر مطلق پوسٹ مارٹم کو قیاس کرنا اور میت کی قطع و برید کے جواز کو مستنبط کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ فقہاء کرام نے مردہ ماں کے پیٹ چاک کرنے کے مسئلہ کو الضرر الاشد یزال بالاخف اور اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمہما ضررا بارتکاب اخفہما اور یختار اھون الشرین کے تحت ذکر کیا ہے جب کہ یہاں اصل سے ضرر اصطلاحی موجود ہی نہیں ہے اس لئے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ کی کتب کے نقل کئے ہوئے جزئیات کا نفس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ سب جزئیات ضرر یا ضرورت کے تحت میں آتے ہیں اور یہاں نہ ضرر کا وجود ہے اور نہ ضرورت کا اور بالفرض ضرورت متحقق بھی ہو تب بھی انسانی اعضاء کی پیوند کاری اضطرار میں بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کی کرامت کے خلاف ہے۔ اور اس سے انسان کا ابتذال ہونا لازم آتا ہے جو کسی حال میں درست نہیں، جیسا کہ تمہیدی امور میں گذرا۔

(۴) آیت وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اور حدیث کسر عظم المیت ککسر عظم

الحی وغیرہ کو بلا ضرورت میت کی ہڈی وغیرہ توڑنے کی ممانعت پر محمول کرنا اور ضرورت کے وقت ہڈی توڑنے کے جواز کو مستثنیٰ کرنا غیر ثابت اور بلا دلیل ہے۔ نیز فقہاء کرام کے کلام میں مثلہ کا مفہوم چہرہ کالا کرنا، یا اس کی فطری صورت کو کاٹ چھانٹ میں بدلنا آتا ہے خواہ مقصود اہانت ہو یا نہ ہو، یہ کہیں منقول نظر سے نہیں گزرا، اور تلاش کے باوجود نہ ملا کہ اہانت کی نیت نہ ہو تو مثلہ جائز ہے اس لئے اہانت اور غیر اہانت کے فرق سے میت کے اعضا کی قطع و برید کا جواز نکالنا صحیح نہیں، نیز لسان العرب ص ۱۳۷ ج ۱۴ پر بھی مثلہ کے معنی مطلقاً اعضاء وغیرہ کاٹنے کو بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جن شرائط کے ساتھ فتویٰ میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی اجازت دی گئی ہے، ان میں پہلی شرط جو تحریر کی گئی ہے اس کا ماخذ اور دلیل ذکر نہیں کی، ہمیں کلام فقہاء میں ایسی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

(۶) اردن کے فتویٰ میں دوسری، تیسری اور چوتھی شرط کی بناء پر میت کے علاوہ زندہ انسان کا کوئی عضو دوسرے زندہ انسان کے لگانے کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے، جو بالکل باطل ہے، کیونکہ حالت اضطرار میں مضطر کو اور حالت اکراہ میں مکرہ کو کسی زندہ انسان کے کسی عضو کو کھانے اور کاٹنے کی قطعاً اجازت نہیں جیسا کہ شروع میں اس کی تصریحات گزریں چہ جائیکہ یہاں ضرورت و اضطرار بھی نہیں ہے۔

(۷) آخر میں پوسٹ مارٹم اور اعضاء کی پیوندکاری کو ضرورت کے ساتھ مخصوص کرنا خود محل نظر ہے اور پوسٹ مارٹم کی تو کسی حد تک ضرورت شرعی کے وقت گنجائش نکلتی ہے لیکن اعضاء کی پیوندکاری کا فتویٰ میں دیئے گئے دلائل سے کوئی جواز ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان دلائل سے استدلال کرنا ہی فقہی اعتبار سے غلط اور غیر معتبر ہے۔

مجلس افتاء سعودی عرب کا فتویٰ

(۱) اس فتویٰ میں نابینا ہونے کو مرض اور قرنیہ کی پیوندکاری کو علاج قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت محرمات سے علاج کی بھی شرعاً اجازت ہے اس لئے قرنیہ کی پیوندکاری بھی جائز ہے خواہ اصلاً یہ ناجائز ہو، یہاں اندھا، کانا، لنجا اور لنگڑا ہونے کو بیماری قرار دینا اور قرنیہ، کان، ہاتھ اور ٹانگ لگانے کو دوا دارو اور علاج کہنا محل نظر ہے، اور حرام اور نجس اشیاء پر اعضاء کی پیوندکاری کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو یہاں ضرورت و اضطرار کا درجہ ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو بھی انسان کے اعضاء سے استفادہ کرنا اور ان کی پیوندکاری کرنا جائز نہیں جیسا کہ شروع میں لکھا گیا۔

(۲) فتویٰ میں امراض چشم کے ماہر ڈاکٹروں کی جماعت کا ہونا فرض کفایہ قرار دیکر یہ کہتے ہوئے کہ وسائل شریعت میں مقاصد کا درجہ رکھتے ہیں، طب کے طلباء کے لئے مردہ لاشوں کی تشریح اعضاء کی خاطر تقطیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ استدلال صحیح نہیں۔

(۳) آگے چل کر نمبر ا و ۲ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے ان کو جواز کی وجہ اور بنیاد بنا کر قرنیہ کی پیوندکاری کو بوقت ضرورت جائز قرار دیا گیا ہے۔ جو "الفاسد علی الفاسد" ہے کیونکہ یہاں ضرورت ثابت نہیں اور ثابت ہو تب بھی اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں۔ کما مر۔

(۴) میت کی بے حرمتی کو "الضرورات تبیح المحظورات" کے قاعدے سے جائز اور مباح قرار دیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے، کیونکہ اس قاعدہ کا اس مسئلہ سے تعلق ہی نہیں۔ اور مثال میں شدت بھوک میں مردار کھانے اور پھنسا ہوا

لقمہ اتارنے کے لئے شراب کا گھونٹ پینے کو پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ ان کا تعلق اعضا کی پیوندکاری سے کچھ نہیں، اسی طرح دیگر تمام جزئیات سے استدلال صحیح نہیں۔

(۶) فتویٰ میں آگے چل کر لا ضرر ولا ضرار، الضرورۃ تنزل منزلۃ الحاجۃ، یختار اھون الشرین کے قواعد سے استدلال کیا ہے حالانکہ ان سے اعضاء کی پیوندکاری کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔

فتویٰ کے آخر میں قرنیہ کی پیوندکاری کو لاوارث مردوں اور ایسے مجرموں کو جنہیں پھانسی کا حکم بطور قصاص کے دیا گیا ہو، کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ تخصیص بلا دلیل ہے، اور بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

کوثر نیازی صاحب کے مضمون کا حاصل

کوثر نیازی صاحب کا جو مضمون قرنیہ کی پیوندکاری اور اس کی وصیت کے سلسلے میں اخبار جنگ میں "مشاہدات و تاثرات" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، جس میں بعض دلائل کی روشنی میں قرنیہ کی پیوندکاری کو جائز قرار دیکر علماء کو اس مسئلہ پر غور و فکر کی دعوت دی گئی تھی۔ اس پر بھی غور کیا گیا۔

مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنے مضمون میں وہ سب کچھ دہرایا ہے، جو عرب فتاویٰ میں تفصیل سے آچکا ہے۔ اگر اس مضمون کو فتاویٰ کا دلکش خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، مولانا موصوف نے ان تمام باتوں کو اور بعض ان مضمون نگاروں کی باتوں کو جو انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو جائز کہتے ہیں، لیکن ادبی پیرایہ میں عام فہم کرکے پیش کیا ہے، کوئی دلیل نہیں دی جس سے انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا جائز ہونا ثابت ہو، ان کی بیان کردہ باتوں کا وہی جواب

ہے۔ جو ہم شروع میں اصولی باتوں میں نمبروار ذکر کر چکے ہیں۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی
۱۴۰۴/۵/۶ھ

اصغر علی
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴
۱۴۰۴/۵/۶ھ

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں!

(۱) طب جدید (ڈاکٹری علاج) کی تعلیم کے واسطے انسانی جسم کی قطع وبرید جائز ہے یا نہیں جب کہ طب جدید کی تعلیم اس کے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کے استعمال کی کوئی جائز صورت ہے یا نہیں۔

(۳) ایک انسان کے دل اور گردے اور دوسرے اعضا کی منتقلی دوسرے انسان کے علاج کی غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک انسان اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو دوسرے مفقود العضو انسان کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ دے سکتا ہے یا نہیں۔

(۵) انسانی اعضاء میں سے کوئی عضو دوسرے انسان کے علاج کے لئے انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد عطیۃً دینے کی وصیت کر سکتا ہے یا نہیں۔

درج بالا سوالوں کے جوابات بہت جلدی مطلوب ہیں اگر مدلل مل جائیں تو بہت ہی کرم ہوگا، اور اگر فرصت نہ ہو تو اجمالی جوابات عنایت فرمائیں اور متعلقہ مفتی حضرات سے دستخط کرا کے بھیج دیں۔ فقط

الجواب باسمہ ملہم الصواب

(۱ تا ۵) جائز نہیں، تفصیل رسالہ "انسانی اعضاء کی پیوندکاری" میں ہے
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ ۳ / صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

عبدالرحیم الجواب صحیح الجواب صحیح

دارالافتاء والارشاد رشید احمد عفی عنہ محمد جہانگیر

جواب از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب لاہور

صدر دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

الجواب: مبسملا ومحمدلا ومصلیا ومسلما

پانچوں باتیں گناہ ہیں، ناجائز ہیں، انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں جیسے بھوکے کو ہاتھ کاٹ کر دینا حرام ہے۔ یہ سب بھی گناہ وحرام ہیں، تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے رسالہ سے معلوم فرمادیں۔

دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور ۳ محرم ۱۴۰۷ھ

جواب از: دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کسی مفقود الاعضاء کو

ہبہ یا عطیہ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر زندگی میں نہیں دے سکتا تو کیا مرنے کے بعد ہبہ یا عطیہ کرنے کی وصیت کرسکتا ہے یا نہیں، امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔ کیونکہ گزشتہ دنوں اخبارات میں پاکستان کے بعض اعلیٰ حکام نے اس کے لئے دوسروں کو نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ خود اپنی آنکھیں عطیہ دینے کی وصیت کی ہے لہٰذا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کو واضح فرمائیں۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں کسی چیز کو ہبہ یا عطیہ کے طور پر کسی کو دینے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شئے مال ہو اور دینے والے کی ملک ہو اور یہی شرط وصیت کے لئے بھی ہے چنانچہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

اما الواهب. اتفقوا على	اور واہب کے لئے علماء نے
تجوز هبته اذا كان	متفقہ طور پر فرمایا کہ ہبہ اس
مالكا للموهوب	وقت جائز ہے جب ہبہ
صحيح الملك الخ	کرنے والا شئے موہوب کا صحیح
(ص ۲۴۵ ج ۲)	معنی میں مالک ہو۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن شرائط الهبة	ہبہ کرنے کی شرائط میں سے یہ
ان يكون مالاً متقوماً	بھی ہے کہ شئے موہوب مال
فلا تجوز هبة ماليس	متقوم ہو لہٰذا جو چیز سرے
بمال اصلاً كالحر و	سے مال ہی نہیں اس کا ہبہ کرنا
الميتة والدم وصيد	جائز نہیں، مثلاً آزاد آدمی،
الحرم والخنزير وغير	مردہ خون، حرم کا شکار اور سور

ذالك الخ (ص۱۹۱ ج ۶ کذا فی البحر ص۲۷۵ ج ۵ و عالمگیری ص۳۷۴ ج ۴) وغیرہ کا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مال نہیں۔

اسی طرح کسی شئے کے بارے میں وصیت کرنے کے لئے جہاں یہ شرط ہے کہ جس شئے کی وصیت کی جائے وہ مال متقوم ہو وہاں یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز وصیت کرنے والے کی ملک ہو۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وشرطها كون الموصى اهلا للتمليك والموصى له اهلا للتملك والموصى به بعد الموصى مالا قابلا للتمليك الخ ص۹۰ ج ۶) كذا فى البحر الرائق ص۴۰۳ ج ۸، وكذا فى رد المحتار ص۵۰ ج ۵، وفى البدائع الصنائع واما الذى يرجع الى الموصى به فانواع منها ان يكون مالاً او متعلقاً بالمال لان الوصية ايجاب الملك او ايجاب ما يتعلق بالملك من البيع والهبة والصدقة والاعتاق ومحل الملك هو المال فلا تصح الوصية بالميتة والدم من احد ولا احد لانهما ليسا بمال فى حق احد ولا بجلد الميتة قبل الدباغ وكل ما ليس بمال الخ ومنها ان يكون المال متقوما فلا تصح الوصية بمال غير متقوم كالخمر الخ

(بدائع الصنائع ص۳۵۲ ج ۷)

یعنی وصیت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موصی اس چیز کا مالک ہو اور جس شئے کی وصیت کی جارہی ہے وہ شئے بھی قابل تملیک ہو۔

انسان کو اپنے جسم کے استعمال کا حق ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن اپنے اعضاء کے مالک نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو نہ فروخت کرسکتا ہے

نہ کسی کو عطیہ یا ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے جس طرح دوسرے کے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا جرم اور گناہ ہے اسی طرح اپنے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا بھی جرم اور گناہ ہے فتح الباری میں حافظ ابن عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

ولیوخذ منہ ان جنایۃ الانسان علی نفسہ کجنایۃ
علی غیرہ فی الاثم لان نفسہ لیست ملکا لہ مطلقا
بل ھی للہ تعالیٰ فلا یتصرف فیھا الا بما اذن فیہ ۔

(ص ۵۳۹ ج ۱۱)

یعنی خودکشی کرنے کی ممانعت والی حدیث سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جو انسان اپنے آپ کو ہلاک کرے اور نقصان پہنچائے اس کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ دوسرے کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کا گناہ، کیونکہ انسان کا جسم و جان اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ انسان کو صرف اس سے کام لینے کا اختیار ہے کام بھی وہ جن کے متعلق اللہ کی طرف سے اذن و اجازت ہے۔

مذکورہ بالا کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کے مالک نہ ہونے کی وجہ سے کسی عضو کا ہبہ یا عطیہ پر دینے کی وصیت نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ انسان تو قابلِ احترام و مکرم ہے۔ اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو اس کے بدن سے الگ کرکے دوسرے انسان کو دینے میں انسانی تکریم کی خلاف ورزی لازم آتی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاءؒ نے علاج و معالجہ اور شدید مجبوری کے موقع پر بھی انسانی اعضاء کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، چنانچہ شرح سیر الکبیر میں ہے :

فکما لا یجوز التداوی بشی من الآدمی الحی اکراما لہ

فکذالک لایجوز التداوی بعظم المیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسر عظم المیت ککسر عظم الحی ۱ھ

(سیر الکبیر ص۱۲۸ ج۱)

جس طرح کسی زندہ آدمی کے کسی عضو کو لے کر علاج کرنا درست نہیں اسی طرح کسی مردہ انسان کی ہڈی سے بھی علاج کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا گناہ ہے جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کا

ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تحریر کیا ہے:

وحرمۃ الانتفاع باجزاء الآدمی لکرامتہ لئلا یتجاسر الناس علی من کرم اللہ بابتذال اجزائہ الخ (ص۹۲ ج۱)

کذا فی البدائع ص۱۳۲ ج۵ عالمگیری ص۳۵۴ ج۵)

یعنی آدمی کی کھال سمیت تمام اعضائے سے فائدہ اٹھانے کی حرمت اس کی تکریم و احترام کے پیش نظر ہے تاکہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے مکرم و محترم بنایا ہے لوگ اس کے اجزاء و اعضاء کو استعمال کرنے کی جسارت نہ کریں جس سے معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کا استعمال کسی حال میں بھی جائز نہیں، لہٰذا جو بھی شخص بلا لحاظ اس کے کہ وہ اعلیٰ حکام سے تعلق رکھتا ہو یا ادنیٰ حکام سے، اس ناجائز عمل کا ارتکاب کرے گا وہ عند اللہ مجرم ہوگا، امانت خداوندی میں ناجائز تصرف کرنے والا ہوگا، اور انسانیت کی توہین کرنے والا بنے گا، دوسروں کے لئے ترغیب و تبلیغ کا گناہ الگ ہوگا۔

مزید تفصیلات کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تالیف "اعضائے انسانی کی پیوند کاری" کا مطالعہ کیا جائے (فقط واللہ اعلم)

الجواب صحیح — کتبہٗ

ولی حسن — بندہ محمد عبد السلام عفا اللہ عنہ

رئیس دار الافتاء و شیخ الحدیث — رفیق دار الافتاء و مدرس جامعہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب صحیح

رضاء الحق، رفیق دار الافتاء و مدرس جامعہ ، محمد ولی درویش رفیق دار الافتاء و مدرس جامعہ

ابوبکر سعید الرحمٰن، رفیق دار الافتاء ، محمد شاہد رفیق دار الافتاء و مدرس جامعہ

جواب از دار الافتاء دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) طب جدید (ڈاکٹری علاج) کی تعلیم کے واسطے انسانی جسم کی قطع و برید جائز ہے یا نہیں، جب کہ طب جدید کی تعلیم اس کے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کے استعمال کی کوئی جائز صورت ہے یا نہیں۔

(۳) ایک انسان کے دل، گردے اور دوسرے اعضا کی منتقلی دوسرے انسان کے علاج کی غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک انسان اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو دوسرے مفقود العضو انسان کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) انسانی اعضاء میں سے کوئی عضو دوسرے انسان کے علاج کے لئے انسان

اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد عطیۃً دینے کی وصیت کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

۱۔۲۔۳ جب مضطر کے لئے یہ اقدام ناجائز ہے کہ اپنا یا پرایا عضو قطع کرے اور کھائے تو معالجہ کے لئے کس طرح جائز ہوگا مع کون سد الحاجۃ بہ ظنیا بخلاف سد الجوع۔

نیز یہ معالجہ غریبوں کے اندا موں کے خرید و فروخت کا ذریعہ ہے۔

وھذا ابتذال الانسان المکرم۔ وھو الموفق

(نوٹ) مضطر کے متعلق جزئیہ ہندیہ جلد ۵ ص ۳۰۴۔

محمد فرید عفی عنہ

مفتی دار الافتاء دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

دار الافتاء بالجامعۃ الاسلامیۃ العبیدیۃ نانوپور بنگلادیش

استفتاء

(۱) آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی زندہ یا مردہ آدمی کی آنکھوں کا قرنیہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک انسان اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو دوسرے مفقود الاعضاء کو معاوضہ لے کر یا معاوضہ کے بغیر دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر زندگی میں اعضاء دینے میں اشکال ہے تو انتقال کے بعد کسی عضو کو دوسرے کے لئے دینے کی وصیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ

(۱) صورت مسئولہ میں انسان اپنے مفقود اعضاء کی جگہ پر دوسرے زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء کی پیوندکاری سے علاج نہیں کر سکتا کیونکہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک ومختار نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان زندہ اور مردہ دونوں صورت میں محترم ومکرم ہے، ایک آدمی کا عضو دوسرے آدمی میں لگا دینا خواہ ضرورت علاج سے ہو تکریم انسانی کیخلاف ہے، اس لئے بھی جائز نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ انسانی اعضاء سے کسی حال میں علاج کرنا شرعاً درست نہیں۔ لہٰذا ایک آدمی کا قرنیہ دوسرے آدمی کی آنکھوں میں لگانا ناجائز وحرام ہے۔

(۲) چونکہ انسان اپنے اعضاء وجسم کا مالک ومختار نہیں ہے اس لئے اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کا معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ کسی دوسرے انسان کو دینا جائز نہیں ہوگا

(۳) اور وصیت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وصیت کے لئے بھی شئے موصیٰ بہ کا مالک ہونا ضروری ہے جب کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں بلکہ یہ جسم واعضاء اس کے پاس امانت خداوندی ہیں، کسی دوسرے کو دینا امانت میں تصرف ہے اور امانت میں تصرف خیانت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

کتبہٗ

بندہ سعید احمد غفرلہٗ

خادم دارالافتاء بالجامعۃ الاسلامیۃ العبیدیۃ ناٹوفور چاٹگام

بنگلہ دیش

(۱) جناب مفتی صاحب زید مجدہ نے اول سے آخر تک فتوی پڑھکر سنایا بندہ کو بڑی مسرت ہوئی۔ فقہی اصول کے اعتبار سے بالکل حق بجانب ہے باقی حضرات اہل تحقیق مزید تحقیق کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔

احقر محتاج دعا سلطان احمد غفرلہٗ

رئیس جامعہ عبیدیہ نانوپور چاٹگام، بنگلہ دیش

(۲) الجواب حق وصحیح موافق بالفقہ والکتاب۔

احقر محمد سلیمان غفرلہٗ نائب رئیس الجامعہ

(۳) جامعہ اسلامیہ عبیدیہ کے محترم ومکرم جناب مفتی صاحب زید مجدہٗ نے از اول تا آخر یہ مفصل فتوی بندہ کو پڑھ کر سنایا ہے۔ فقہی دلائل کی روشنی میں جواب بالکل واضح اور صحیح معلوم ہوتا ہے، باقی اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی گنجائش اور ضرورت باقی ہے کیونکہ مسئلہ قیاسی اور اجتہادی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

بندہ محمد ہارون غفرلہٗ

شیخ الحدیث بالجامعہ

(۴) جواب درست ہے موافق عقل ونقل ہے۔

احقر الوری عبدالرحمن غفرلہٗ

خادم جامعہ عبیدیہ نانوپور کیشگرامی استاذ حدیث بالجامعہ

(۵) فتوی کو بندہ نے اول سے آخر تک خوب مطالعہ کیا فقہی اصول کے مطابق جواب بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ باقی اللہ اعلم بالصواب

محتاج دعا احقر بندہ محمد شمس الحق کیشگرامی

یکے از خدام جامعہ اسلامیہ عبیدیہ،

(نائب امین التعلیمات بالجامعہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب از دارالافتاء جامعہ اسلامیہ عزیز العلوم بابونگر چاٹگام بنگلہ دیش

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں؟

- طب جدید (ڈاکٹروں کا علاج) کی تعلیم کے واسطے انسانی جسم کی قطع و برید جائز ہے یا نہیں، جبکہ جدید تعلیم اس کے بغیر ممکن نہیں۔
- آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کے استعمال کی کوئی جائز صورت ہے یا نہیں۔
- ایک انسان کے دل اور گردے اور دوسرے اعضا کی منتقلی دوسرے انسان کے علاج کی غرض سے جائز ہے یا نہیں؟
- ایک انسان اپنے عضو میں سے کوئی عضو دوسرے مفقود العضو انسان کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ دے سکتا ہے یا نہیں؟
- انسانی اعضا میں سے کسی عضو کو دوسرے انسان کے علاج کے لئے انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد عطیہ دینے کی وصیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

درج بالا سوالوں کے جوابات بہت جلدی مطلوب ہیں، اگر مدلل مل جائیں تو بہت ہی کرم ہوگا۔ اور اگر فرصت نہ ہو تو اجمالی جوابات عنایت فرمائیں، اور متعلقہ مفتی حضرات سے دستخط کرا کے بھیج دیں، فقط

مستفتی

محمد کفایت اللہ

الجـــواب

ومنہ التوفیق

خالق کائنات اللہ رب العالمین نے انسان کو اپنی خلافت کے تمغہ سے نوازتے ہوئے پیدا فرمایا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جس کا قرعہ صرف انسان ہی کے حق میں نکل آیا ہے، ماسوا اللہ میں کوئی عالم ایسا نہیں نکلا جو اس اعزاز کا لائق ٹھہرے صرف انسان ہی ایک وہ ہستی ہے جس کو اس اعزاز سے نوازا گیا ہے، چنانچہ قرآن کی شہادت ہے حق جل مجدہ فرماتے ہیں: "واذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفة (الآیۃ) دوسری جگہ فرماتے ہیں: "وهو الذي جعلكم خلائف الارض (الآیۃ "

ادھر شرف خلافت سے نوازتے ہوئے وجود وخلافت کی نعمت عطا فرماتے ہیں تو ادھر انسان کو ساری مخلوق پر بزرگی دینے کا اعلان فرماتے ہیں۔

" ولقد كرمنا بني آدم وحملنهم والبر والبحر ورزقنهم من الطيبت وفضلنهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا " صاف تصریح ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی، ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ یہ عظیم اعزاز کس چیز میں دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سوار کرایا اور ہم نے ان کو پاک اور لذیذ چیزیں عطا کیں اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر اچھی خاصی فضیلت دی، حتیٰ کہ دوسری جگہ ایک لفظ میں یہ جامع کلام بھی ارشاد فرمادیا کہ: " وهو الذي خلق لكم ما في الارض جميعاً (الآیۃ) یعنی وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب۔

درحقیقت تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا واحد مالک تو خالق رب العزۃ

ہیں اور وہ مختار کل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: "للہ ملک السموٰت و الارض وما فیھن (الآیۃ) مگر انسان کے لئے یہ خلافت یہ تکریم اور پوری کائنات میں تصرف کا حق اس لئے ہے تاکہ وہ رب العزت کے کام آئے، اور پوری کائنات اس کے کام آئے، انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ کسی مخلوق یا انسان کے کام آئے، چنانچہ قرآن کی تصریح ہے: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

بات بالکل واضح ہے کہ انسان خلیفہ ہے یعنی نائب اور امین ہے مالک نہیں، وہ پوری کائنات کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے مگر اپنے نفس کو نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ حق بالکل نہیں دیا کہ اشیاء مبتذلہ کی طرح اپنے جسم یا اعضاء کو تبدل کا شکار بنا دے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے ہر وہ اصول مقرر کردیئے جن سے تکریم انسانی میں کوئی بھی نقص کسی بھی طریقے سے نہ آسکے، اس کا مقام بحال رہے اور اشیاء مبتذلہ کے حضیض میں نہ جا گرے، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ملک خاص میں انسانی ملک و تصرف کا دھبہ نہ لگ جائے،

چنانچہ قاضی شرعی سعدی ابو حبیب، اپنی کتاب "موسوعۃ الاجماع" میں لکھتے ہیں:-

- بیع شخص الانسان الحر بدین أو بغیرہ لا یجوز بالاجماع اھ۔
- اتفقوا علی أنہ لا یحل لأحد أن یقطع عضواً من أعضائہ، ولا ان یولم نفس فی غیر التداوی بقطع العضو المصاب خاصۃ اھ۔
- ان جلد الانسان لا یحل سلخہ ولا دباغہ ولا استعمالہ

باجماع المسلمين . اهـ

(موسوعة الاجماع فى الفقه الاسلامى ص١٠١٥٠ ج١)

- ولا يأكل المضطر طعام مضطر آخر ولا شيئا من بدنه هـ

(الاشباه لابن نجيم ص١١١)

- . . . . . واما الذى يرجع الى المعقود عليه فالنواع . . . . .

ومنها ان يكون مالا ، لان البيع مبادلة المال بالمال ، فلا ينعقد بيع الحر ، لانه ليس بمال . . . . . واما عظم الآدمى وشعره فلا يجوز بيعه لا لنجاسته ، لانه طاهر فى الصحيح من الرواية ، لكن احتراماً له ، والابتذال بالبيع يشعر بالاهانة ، وقد روى عن النبى عليه الصلوة والسلام أنه قال : لعن الله الواصلة والمستوصلة اهـ

. . . . ولا ينعقد بيع لبن المرأة فى القدم عندنا . . . . . (لأن) اللبن ليس بمال ، فلا يجوز بيعه والدليل على أنه ليس بمال اجماع الصحابة رضى الله عنهم ، والمعقول . اما اجماع الصحابة رضى الله عنهم فما روى عن سيدنا عمر وسيدنا على رضى الله عنهما حكما فى ولد المغرور بالقيمة وبالعقر بمقابلة الوطء ، وما حكما بوجوب قيمة اللبن بالاستهلاك ، ولو كان مالا لحكما ، لان المستحق يستحق بدل اتلاف ماله بالاجماع ، و لكان ايجاب الضمان بمقابلته أولى من ايجاب الضمان

بمقابلة منافع البضع، لانها ليست بمال ، فكانت حاجة المستحق إلى ضمان المال أولى ، وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضى الله عنهم ولم ينكر عليها أحد ، فكان اجماعاً واما المعقول ، فهو لانه لايباح الانتفاع به شرعاً على الاطلاق بل لضرورة تغذية الطفل ، وما كان حرام الانتفاع شرعاً الا لضرورة لا يكون مالا كالخمر والخنزير ، والدليل عليه ان الناس لايعدونه مالا ولا يباع في سوق ما من الاسواق ، دل انه ليس بمال فلا يجوز بيعه ، ولانه جزء من الآدمي ، والآدمى بجميع اجزائه محترم مكرم وليس من الكرامة والاحترام ابتذاله بالبيع والشراء اهـ

..... ومنها ان يكون مملوكاً لان البيع تمليك فلا ينعقد فيما ليس بمملوك اهـ

(بدائع ، ج ٥ ص ١٣٨ إلى ص ١٤٦)

• واما ركنها (اى الهبة) فقول الواهب " وهبت " لانه تمليك اهـ

(ومن شرائطها ان يكون) مالكاً للموهوب .....

ومنها ان يكون (الموهوب) مملوكاً ، فلا تجوز هبة المباحات ، لان تمليك ما ليس بمملوك محال اهـ .....

ومنها ان يكون مالا متقوماً ، فلا تجوز هبة ما ليس بمال أصلاً كالحر والميتة والدم اهـ

عالمگیری، ج ٣ ص ٧١٨

..... فالوصية فی الأصل نوعان ، وصية بالمال ووصية بفعل متعلق بالمال لایتحقق بدون المال اھ

بدائع ، ج ۷ ص ۳۸۵

ان تمام شرعی نصوص اور تصریحات سے تفصیلی طور پر یہ قوانین سامنے آجاتے ہیں کہ انسان کائنات اور اس کے ہر ذرہ ذرہ کا استعمال کرنیوالا ہے، انسان یا انسان کا کوئی بھی عضو یا جزء مخلوقات سے کسی کے بھی استعمال میں آنے کا نہیں، کیونکہ یہ منشاء تخلیق کے بالکل خلاف ہے، دوسری بات یہ کہ انسان اور اس کا ہر ہر جزء قابل احترام ہے اور یہ حکم لازمی اور حتمی ہے اس میں کسی بھی طریقہ سے خلاف گناہ کبیرہ ہے۔ تیسری بات یہ کہ انسانی جسم یا اعضاء کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ کرنا جس میں اس کی اہانت مضمر ہو، حرام ہے۔ چوتھی بات یہ کہ انسان یا اس کا کوئی بھی عضو جبلی طور سے مال نہیں ہے۔ تاکہ مال کی طرح استعمال کیا جاسکے۔ پانچویں بات یہ کہ اس پر ملکیت کا تصرف چل نہیں سکتا ہے کیونکہ انسان نہ اپنے جسم کا مالک ہے نہ اپنے اعضاء کا، لہذا اس پر مالکانہ تصرف یکسر ناجائز اور حرام ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر طب جدید کی تعلیم کے واسطے انسانی جسم یا اعضاء کی قطع و برید یا آنکھوں کے قرنیہ کی خرابی کی صورت میں کسی دوسرے انسان کی آنکھوں کے قرنیہ کا استعمال ایک انسان کے علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے دل گردے یا دوسرے اعضاء کی منتقلی کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ بلکہ ناجائز اور بالکل حرام ہے، انسانی جسم یا اعضاء نہ مال ہیں اور نہ مالکانہ تصرفات اس پر آسکتے ہیں۔ اسی لئے ان کو بلامعاوضہ یا بالمعاوضہ یا موت کے بعد دے دینے کی وصیت کرنا ہی بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ بیع و شراء ہبہ اور وصیت میں معقود علیہ

کا مال ہونا اور اس میں عاقد کی ملک ثابت رہنا فرض ہے، ساتھ ساتھ یہ کہ انسان کے جسم میں مالکانہ تصرف یہ خودکشی کے معنی میں بھی ہے جو کہ نصوص شرعیہ کی رو سے صریح حرام ہے،

صرف یہ نہیں کہ یہ ایک زبردست عظیم امانت میں بری طرح کی خیانت ہے، بلکہ اس میں ایک عالمگیر فساد کو دعوت دینا ہے، یہ کوئی امکانی قصہ کہانی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ جب یہ چیزیں بکاؤ مال بنیں گی تو درندہ ذہن کا ایک طبقہ انسان میں سے ان کے حصول کے لئے غریب اور لاوارث انسان پر شب خون مارنے کا عزم مصمم کرلے گا جو آج بھی کہیں کہیں مشاہدہ میں آرہا ہے۔ اب حالات سے ایسا معلوم ہورہا ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی وجہ سے قتل کا ایک بازار گرم ہوتا جائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ قتل ایک جرم عظیم اور کبیرہ گناہ ہے؟ اور اس کا جو داعی بنا ہے تو وہ جدید انسانیت سوز ترقی ہے، اور یہ کلیہ تمام امت میں مسلم ہے کہ "مقدمة الحرام حرام"

باقی رہا خون کا مسئلہ تو علمائے امت نے اس کو ناپاک ہونے کی وجہ سے تداوی بالمحرم کے باب میں داخل کر کے فرمایا کہ اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید نہیں، لہٰذا حکم یہ ہے کہ انتہائی ضرورت کے وقت خون کا لینا دینا اور خریدنا سب جائز ہے۔ البتہ بلاضرورت اس کا لینا دینا جائز نہیں نیز اگر بلاقیمت خون مل سکتا ہے تو خریدنا اور فروخت کرنا حلال نہیں ہے اگر بلاقیمت نہ ملے تو خریدنا جائز ہے لیکن فروخت کنندہ کے لئے ہر حال میں فروخت کرنا حرام ہے۔

محمود حسن عفی اللہ تعالیٰ عنہ
فاضل التخصص فی الفقہ بجامعہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان
خادم دارالافتاء جامعہ عزیز العلوم بابونگر چاٹگام، بنگلہ دیش ۱۴۰۸/۳/۱۰ ھ

از محقق العصر حضرت مولانا اسحاق صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عزیز العلوم بابونگر چاٹگام بنگلہ دیش

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ کسی انسانی اعضا کو خواہ اپنے اعضا ہوں یا دوسرے کے استعمال میں لائے، یا طبی تجربہ کا تختہ مشق بنائے، یا اپنے اعضا یا کوئی عضو ہبہ کرے، یا اس کی وصیت کرے، کیونکہ اولاً اللہ جل شانہ نے انسان کو جو حرمت بخشی یہ افعال سراسر اس کے خلاف ہیں، ثانیاً دوسرے کے اعضاء تو درکنار انسان اپنے اعضا کا بھی مالک نہیں، اسی ہی وجہ سے خودکشی کو حرام کیا گیا، نہ کوئی انسانی اعضاء کسی انسان کے حق میں مملوک صرف اس کے واحد مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں، لہذا نہ کسی انسانی وصیت کا تعلق اس کے ساتھ ہو سکتا ہے نہ خرید و فروخت کا تعلق نہ کسی کو ان کی اہانت کا حق، یہ سب کام حرام ہیں، حدیث شریف میں ہے "حمی اللہ فی الارض محارمہ" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام (بخاری) کسی انسان کو حق نہیں کہ اس میں مداخلت کرے، اسی طرح پوسٹ مارٹم کا جو طریقہ رائج ہے وہ بھی قطعاً حرام ہے، کوئی بھی مسلمان ان جیسے قبیح و شنیع افعال کا مرتکب نہیں ہو سکتا

یہ ایجادات اس بد دین اور بد دیانت قوم کی ہیں، جو اللہ و رسول اور خوف آخرت و حساب و کتاب سے بے خبر و بے پرواہ ہیں کسی مسلمان کو ان کی تقلید جائز نہیں ہو سکتی۔ افسوس ہے ان مسلمان ڈاکٹروں پر جو بے باکانہ ان جیسے قبائح کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رہا خون خریدنے کا مسئلہ، تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مفت

نہ ملے تو بوقت ضرورت رشوت کے طور پر کچھ دیکر خون حاصل کرلے، علیٰحدہ دودھ کی خرید و فروخت بہر حال حرام ہے، لہٰذا من کل الوجوہ اس کو رضاع پر قیاس کرنا احقر کے خیال میں صحیح نہیں، رضاع کا مسئلہ اور ہے دودھ کی خرید و فروخت کا مسئلہ اور، ہٰذا واللہ اعلم و علمہ احکم واتم

کتبہ محمد اسحٰق غفرلہٗ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ

تحریر:- از مولانا محمد جنید بابونگری، استاذ حدیث جامعہ عزیز العلوم بابونگر۔

الحمد لأھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا

امابعد، طب جدید (ڈاکٹری علاج) کی تعلیم کے لئے انسانی جسم کی قطع و برید اور دوسرے انسان کے علاج کی غرض سے ایک انسان کے دل اور گردے اور دوسرے اعضاء کی منتقلی، اس کی زندگی میں ہو یا مرنے کے بعد، بصورت بیع ہو یا ہبہ یا وصیت وغیرہ استفتاء میں مذکورہ امور اور اسی طرح وجوہات قتل معلوم کرنے کے لئے پوسٹ مارٹم، غرض کہ یہ ساری کی ساری چیزیں بعثت شرع محمدی کی رو سے بالکل منع اور ناجائز ہیں۔ ایک مسلمان جس کو خوف خدا، فکر آخرت اور اسلامی آئین کا پاس و لحاظ ہے، اس کو ان امور سے اجتناب کلی ضروری ہے، کیونکہ مذکورہ بالا امور سے:

(۱) انسان اور اعضاء انسانی کی بڑی ذلت اور حقارت و اہانت ہوتی ہے۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان اکرم المخلوقات و اشرف الکائنات ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

"ولقد کرمنا بنی آدم" (اسراء - ۷۰)

نیز دیکھئے خالق جل شانہ نے انسانی دنیا کے والد حضرت آدم علیہ السلام

کو مسجود ملائکہ بناکر انسانیت کو کتنا بڑا شرف اور عظیم اعزاز بخشا ہے ، اور بحر الرائق میں فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے :

"ان الآدمی مکرم وان کافراً " (البحر الرائق ص ۲۰۸ ج ۶)

پھر انسان کی یہ شرافت اور بزرگی ظاہری و معنوی ، روحانی و جسمانی اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے ہے ،

(۲) نیز ان امور کے جواز سے انسانی جسم اور انسانی اعضاء کا مال ہونا لازم آتا ہے ، حالانکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جسم انسانی اور اعضاء انسانی کے اندر مالیت مفقود ہے ، چنانچہ بدائع (ص ۱۴۰ ج ۵) میں ہے کہ :

"ومن شرائط البیع ان یکون مالا لأن البیع مبادلة المال بالمال. فلا ینعقد بیع الحر لأنه لیس بمال" اور سنن دارقطنی ص ۱۳۵ اور اعلاء السنن ص ۳۶ ج ۱۱ میں ہے کہ :

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن امهات الاولاد لا یبعن ولا یوهبن ولا یورثن "

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جسم انسانیت کے اندر مالیت مفقود ہے ، ورنہ ام الولد کی بیع ، ہبہ وغیرہ جائز ہوتا ۔

(۳) نیز اس سے لازم آتا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کا خود مالک ہو حالانکہ شریعت کی رو سے انسان اپنے جسم اور اعضاء کا مالک نہیں ہے ۔ چنانچہ فتح الباری ص ۵۳۹ ج ۱۱ میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ...... لان نفسه ای نفس الانسان لیست ملکا مطلقا بل ھی للہ تعالیٰ فلا یتصرف فیها الا بما اذن له فیه ،

یہاں کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ ٹھیک ہے یہ سارے امور حرام و ممنوع ہیں، مگر بسا اوقات اعضاء انسانی کی پیوندکاری ضروری ہو جاتی ہے۔ اور ضرورت، حرام اور ممنوع اشیاء کو جائز اور مباح بنا دیتی ہے، جیسا کہ فقہا کا قاعدہ ہے "الضرورة تبيح المحذورات"

اس مغالطہ اور شبہ کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی ۵ قسمیں ہیں، ضرورت یعنی اضطرار، حاجت، منفعت، زینت، فضول، ہر ایک کی الگ الگ تعریف ہے، تفصیل چھوڑ دیتا ہوں اور "الضرورت تبیح المحذورات" کا قاعدہ صرف اور صرف ضرورت یعنی اضطرار کو شامل ہوتا ہے، باقی چار قسمیں اس میں داخل نہیں ہیں، اور اضطرار کی صورت کو بھی یہ قاعدہ علی الاطلاق شامل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے شرائط و قیود ہیں۔

اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ استفتا میں مذکورہ امور کے اندر بعض تو ایسے ہیں جن میں سرے سے ضرورت یعنی اضطرار پائی ہی نہیں جاتی، مثلاً آنکھوں کے قرنیہ کا استعمال کرنا، کیونکہ اس کے بغیر آدمی نہ ہلاک ہوتا ہے اور نہ قریب الہلاک، اور بعض میں اگرچہ اضطرار ہے، لیکن شرائط مفقود ہیں، جیسے دل اور گردے کی پیوندکاری اس لئے کہ دوسرے کے دل اور گردے لگانے میں حیات اور صحت یقینی نہیں، ظنی ہی ہیں، اس فقہی قاعدہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "شرح الاشباہ" للحموی،

پس مذکورہ بالا امور کے جواز پر اس قاعدہ سے استدلال کرنا کم فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

الغرض انسانی اعضاء کی پیوندکاری (جو آج کل وبائے عام بن گئی ہے) حالت حیات میں ہو یا مرنے کے بعد، کسی بھی وجہ اور عذر سے شریعت کی نظر میں درست اور جائز نہیں ہے، مسئلہ خاصا تفصیل طلب ہے،

اللہ تعالیٰ ہمارے محترم مولانا مفتی عبد السلام صاحب چاٹگامی مدظلہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنی محققانہ تصنیف "انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید" مسئلہ کے سارے گوشوں پر مفصلاً و مدللاً روشنی ڈالی ہے، نیز اس موضوع پر مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی بھی ایک نہایت عمدہ و جامع کتاب ہے جس کا نام "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" ہے، دونوں کتابیں اس سلسلے کی مشعل راہ ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ساری امت مسلمہ کو انسانی اعضاء کی قطع و برید، پوسٹ مارٹم وغیرہ، غیر شرعی و غیر فطری کاموں سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

کتبہ

احقر محمد جنید چاٹگامی، بابونگری
فاضل التخصص فی علوم الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
و خادم حدیث، جامعہ عزیز العلوم بابونگر
چاٹگام، بنگلہ دیش، ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح

۱۔ احقر محمد محب اللہ غفرلہ (مہتمم جامعہ عزیز العلوم بابونگر، چاٹگام)

المجیب مصیب

۲۔ احقر محمد حبیب اللہ غفرلہ (محدث و استاذ الفلسفہ جامعہ بابونگر)

الجواب صحیح

۳۔ ننگ اکابر محمد عبید الرحمٰن غفرلہ (محدث جامعہ بابونگر)

قد اصاب من اجاب

۴۔ احقر محمد نور الحق غفرلہ (استاذ الحدیث جامعہ عزیز العلوم بابونگر)

الجواب صحیح

۶۔ احقر محمد یونس غفرلہٗ (محدث، وناظم تعلیمات جامعہ بابونگر

الجواب صحیح

۷۔ احقر محمد شفیع عالم غفرلہٗ (استاذ الحدیث جامعہ بابونگر)

المجیب مصیب

۸۔ احقر محمد عبد الباری غفرلہٗ (استاذ الحدیث جامعہ بابونگر)

الجواب صحیح

۹۔ احقر محمد ایوب غفرلہٗ (ناظم کتب خانہ واستاذ جامعہ بابونگر)

المجیب مصیب

۱۰۔ احقر محمد شعیب غفرلہٗ (استاذ جامعہ بابونگر)

الجواب صحیح

۱۱۔ احقر محمد ابو الکلام غفرلہٗ (استاذ جامعہ بابونگر

المجیب أجادنی اما اجاب

۱۲۔ احقر محمد عبد الغنی غفرلہٗ (استاذ الفقہ جامعہ عزیز العلوم بابونگر)

(دارالافتاء قاسم العلوم ملتان کا جواب)

سوال۔ انسانی اعضاء کی قطع برید اور چیر پھاڑ دوسرے انسان کے بدن میں لگانے کی غرض سے جائز ہے یا نہیں۔ اپنی تحقیق سے آگاہ فرمائیں۔

محمد کفایت اللہ

الجواب باسمہ تعالیٰ

انسانی اعضاء کی خرید و فروخت اور ڈاکٹری علاج کی تعلیم دینے کے لئے قطع و برید ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح زندگی میں یہ وصیت کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھیں اور دیگر قابلِ استعمال اعضاء انہی مفقود العضو زندہ انسانوں کے لئے استعمال میں لائی جائیں۔ شرعاً درست نہیں ہے اور اس وصیت کے تحت ان اعضاء کا حصول مردہ سے لینا جائز نہیں ہے

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان
۵ ۹/۹ ۱۴۰۹ھ فتویٰ نمبر ع ۱۸۱۳۴ / ج ۳۹

اصاب من اجاب
منظور احمد نائب مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان
۵ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

تبصرے و تأثرات

(۱) از سید انور علی (ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی) ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان و ایڈوکیٹ ہائیکورٹ آف سندھ

زیرِ نظر کتاب "انسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید" میں محترم مولانا مفتی محمد عبدالسلام صاحب چاٹگامی نے عصرِ حاضر کے ایک اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ جیسا کہ فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے فقہی مسائل کو حل کرنے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کو بڑی اہمیت دی ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قیاس کے ذریعہ اجتہاد کو جو ہمہ گیر وسعت اسلام میں حاصل ہوئی اس کی نظیر دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ مگر امام اعظم نے جس قیاس کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیا تھا وہ قرآن اور سنت سے آزاد نہیں بلکہ ان کا تابع ہے بالفاظِ دیگر ایسا قیاس جو قرآن و سنت کے خلاف ہو وہ ناجائز ہی نہیں بلکہ گناہ ہے۔ بدقسمتی سے وہ مسلمان اسکالر جن کو مغربی تعلیم اور طرزِ زندگی نیز سائنسی ترقی سے (BRAIN WASH) کر دیا ہے۔ وہ اب کھلم کھلا نرے عقلی دلائل کی بنیاد پر قرآن اور سنت کے خلاف راہیں تلاش کر کے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی غلط راہ پر ڈال رہے ہیں۔ ان میں وہ نام نہاد علماء بھی شریک ہیں جو نہ تو محقق ہیں نہ مفتی بلکہ دین کا سرسری علم رکھتے ہیں اور دنیاوی منفعت اور نام نمود کی خاطر ایسے فتوے جاری کرتے ہیں جو قرآن اور سنت کے صریح خلاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسانی اعضا کی پیوندکاری کے جواز میں نہ صرف مغرب زدہ اسلامی ممالک مثلاً مصر اور اردن بلکہ افسوس تو یہ ہے کہ سعودی عرب جیسے اسلامی ملک کی مجلس افتاد نے فتوے جاری کئے جن سے مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور ڈاکٹر صاحبان کو لاشوں کے پوسٹ مارٹم۔ انسانی جسم

کے اعضاء کی تبدیلی اور خون کی خرید و فروخت کے لئے ایک دینی بنیاد فراہم ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے اپنی آنکھوں کے بعد از مرگ عطیے کی وصیت تک کر ڈالی۔

اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر مسلم طبقے کی اکثریت جو ہر اہم معاملہ میں قرآن و سنت پر نظر رکھتی ہے علماء حق کی جانب متوجہ ہوئی اور اُن کے استفسار پر سب سے پہلے کراچی کے جید علماء اور مفتی صاحبان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) مولانا محمد یوسف بنوری صاحب (مرحوم) مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی پر مشتمل مجلسِ مسائل حاضرہ نے قرآن و حدیث اور فقہ اسلام کی روشنی میں جدید تقاضوں اور حالات کو سامنے رکھ کر مسائل مذکورہ پر تحقیقی جواب دیا جو ایک رسالہ "اعضائے انسانی کی پیوندکاری" کے نام سے شائع ہوا اور علماء برصغیر نے اُس کو سراہا۔

رسالہ مذکورہ کی اشاعت کے باوجود مسائل حاضرہ کی وسعت اور مغرب زدہ ذہنوں کی مغرب کی اندھی تقلید نے مسائل مذکورہ کو مذہب سے ہٹا کر انسانی ہمدردی کا نام دیا اور انسانی اعضاء اور خون کی خرید و فروخت کو جاری رکھا چنانچہ اسلامی ذہن رکھنے والوں نے پھر دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ اور کراچی کی مجلس مسائل حاضرہ کو ان مسائل پر از سرِ نو غور و فکر کی دعوت دی اور مذکورہ اداروں نے یہ کام محترم مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی اور محترم مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب کے سپرد کیا اور ان دونوں حضرات نے ان مسائل پر نیز مصر، اُردن اور سعودی عرب اور بعض پاکستانی علماء اور ڈاکٹروں کی آراء پر از سرِ نو تفصیلی بحث کے بعد مجلس کے اوّل الذکر جواب کی تصدیق کی اور طے کیا کہ اعضائے انسانی کی قطع و برید اور اُس کی پیوندکاری ناجائز اور حرام ہے اور خون کا استعمال صرف اضطراری حالت

میں جائز ہے۔

اس کے بعد اقراء ڈائجسٹ کی طرف سے ایک سوالنامہ اور اس کے ساتھ کچھ رسائل اعضاء کی پیوندکاری کے جواز میں دارالافتاء بنوری ٹاؤن میں موصول ہوئے اور یہی اس رسالہ کی تالیف کا سبب بنے۔

اس رسالے میں مفتی صاحب نے مسائل مذکورہ کے متعلق پیدا ہونے والے سوالات کا پوری طرح احاطہ کیا ہے۔ اور قرآن وحدیث اور جدید علماء تحقیق کے اقوال کی روشنی میں ہر سوال کا نہایت محققانہ اور تسلی بخش جواب دیا ہے، اور اعضاء انسانی کی پیوندکاری کو جائز قرار دینے والوں کے خیالات کو باطل ثابت کیا ہے اور میری اپنی سمجھ بوجھ کی حد تک کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے ساتھ ہی اُن لوگوں کا رد بھی بڑی خوبصورتی سے کر دیا ہے جو نری عقل کے ذریعہ قیاس آرائیاں کر کے یا مغربی طرزِ فکر سے متاثر ہو کر دینی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کی تحریر کا انداز نہایت سادہ مدلّل اور اثر انگیز ہے میری اپنی دانست کی حد تک اس موضوع پر کوئی اور کتاب اتنی جامع اور مکمل تاحال شائع نہیں ہوئی ہے

میری دعا ہے کہ اس رسالے کی تحقیق اور تحریر میں مفتی صاحب نے جو محنت کی ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس کے ذریعے غلط راہ پر چلنے والوں کو صحیح راہ پر آنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

سید انور علی

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ سہ شنبہ کراچی ۱۶/۱۰/۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۲) تبصرہ از حضرت مولانا السید محمد ایوب جان بنوری دامت برکاتہم
جامعہ اسلامیہ دار العلوم پشاور صوبہ سرحد

مکرمی و محترمی جناب حضرۃ مولینا مفتی محمد عبد السلام صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہونگے

کتاب "انسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید" آپ کا گرانقدر عطیہ موصول ہوا۔
آپ نے یاد فرمایا دل کی گہرائیوں سے ممنون و شاکر رہوں گا۔

آپ کی مذکورہ تصنیف کے چند اقتباسات "اقرأ" میں نظر سے گذرے تھے۔
اسی وقت دل میں خیال آیا تھا کہ یہ اہم تحریر ہے اسے کتابی شکل ضرور ملنی چاہیئے پھر
مجھے اس وقت کتنی خوشی ہوئی اللہ ہی جانتا ہے جب میری خواہش کے مطابق
یہ اہم مضمون کتابی شکل میں میرے سامنے آگیا۔

مولانا محترم! خداوند کریم آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ عمر دراز فرمائے تاکہ اس
دورِ پُرفتن میں دینِ اسلام کی ترجمانی کا حقیقی حق ادا ہوتا رہے۔ آپ کی کاوش
کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے اور مذکورہ کتاب کو عوام الناس کے لئے
چراغِ راہ ثابت کرے آمین۔ دعاؤں کا انتہائی محتاج ہوں دعواتِ صالحہ سے
محروم نہ فرمانا۔ شکریہ

والسلام

محمد ایوب بنوری غفرلہ

۷-۱-۱۴۰۸ھ

۹-۱۹۸۷ء

تاثرات

(۴) از حضرت محدث، فقیہ، محقق و مصنف مولانا احمد شفیع صاحب مدفیضہ العالی خلیفۂ خاص حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ، و رئیس جامعہ اسلامیہ دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش۔

بخدمت عزیز محترم وفقیہ مکرم جناب مفتی عبدالسلام صاحب مدظلہ

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵ پاکستان

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مابعد، بفضل اللہ تبارک وتعالیٰ بندہ داعی الخیر حین تحریر قسماً خیریت سے ہے امید کہ آنجناب نیز خیر و عافیت سے ہونگے۔

بعدہ الحمد للہ ابھی ابھی دوسرا اور ایک ہدیہ سنیہ "انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید" موصول ہوا جو اس زمانۂ پُرفتن میں کہ جب امت مسلمہ کے اندر حلال و حرام، جائز و ناجائز اور حد ضرورت و حد مباح وغیرہ کا امتیاز ختم ہوتا جا رہا ہے آپ نے انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے اس نازک مسئلہ کو جو آج امت میں باعث انتشار اور سبب گمراہی بنا ہوا ہے اور عام طور پر بہت سے مسلمان ملکوں میں بھی رواج پذیر ہو گیا ہے تحقیقات اور مدللات سے خوب منقح فرمادیا اور خوب اور خوب دلائل عقلیہ و نقلیہ و عبارات فقہاء سے درافشانیاں فرمائی ہیں اور بہت شرح و بسط سے تمام شبہات کے جوابات لکھے ہیں ماشاء اللہ آپ کی یہ تالیف امت مسلمہ کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہے آج انسان کو اپنی حقیقت اور قدر و قیمت کے بارے میں پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات

اور مسجود الملائکہ بنایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان تو دو شئ کے مجموعہ کا نام ہے یعنی روح وجسم" کما قال اللہ تعالیٰ فاذ اسویتہ ونفخت فیہ من روحی الخ فسجد الملائکۃ کلہم أجمعون" لہٰذا جس طرح اس کی روح قیمتی ہے اور قابل قدر واحترام ہے اس کا جسم بھی مکرم ومحترم ہے اللہ کرے کہ ساری انسانیت کو آپ کی اس محققانہ ومدللانہ تصنیف کے ذریعہ اعضاء کی حرمت وعظمت سمجھ میں آجاوے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت عام عطا فرمائے اور مؤلف علام کو فلاح دارین نصیب فرماویں۔

فقط والسلام

کتبہ احمد شفیع غفرلہ
رئیس الجامعہ الاھلیۃ دار العلوم
معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام بنگلہ دیش
۱۷/۷/۱۴۱۰ھ

مصنف کی دوسری اہم تصنیف "اسلامی معاشیات کے بنیادی اصول جلد اول" زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی عنقریب منظر عام پر آرہی ہے۔

شائقین حضرات نوٹ فرمالیں،

تاثرات

(۴)

از شیخ طریقت و پیر کامل ، صاحب تصانیف کثیرہ عالم ربانی حضرت مولانا محمد ادریس انصاری دامت برکاتہم خلیفۂ خاص سید الطائفہ و قطب عالم مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بگرامی خدمت جناب مفتی محمد عبدالسلام صاحب زادت عنایتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ

طالب خیر بحمد اللہ تعالیٰ بخیر ہے ہدیہ سنیہ انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید پہنچ ، ممنون اور دعا گو ہوں کہ یاد فرمایا ، ماشاء اللہ کافی محنت اور ہمت سے اس اہم مضمون اور مجموعہ کو کتابی شکل میں منتقل فرمایا فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اس مسئلہ میں شروع سے میرا ذوق یہی تھا کہ ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ انسانی جسم اور اعضاء قابل احترام ہیں ان میں پیوند کاری نہیں ہونی چاہئے۔

مگر مصر کے مفتیان کرام اور سعودی عرب کے علماء حضرات کی تحقیق اور فتوے آجانے کے بعد کچھ تردد ہونے لگا تھا ، اب بحمد للہ آپ کی اس کاوش کے سامنے آنے کے بعد اطمینان خاطر ہو گیا ، ماشاء اللہ کتاب بہت اچھی ، اچھی ہے اور بہت اچھی اور مدلل لکھی گئی ہے اور دلچسپ بھی ہے زیادہ کیا عرض کروں دعا گو ہوں اور دعا کا طالب بھی ، الحاج رفیق بھائی ، مولوی عاصم میاں عزیز ذکی صاحب سے بشرط فرصت و یاد سلام کہہ دیں۔

والسلام

محمد ادریس انصاری

۱۴۰۸/۲/۱۷ھ

ادارۃ القرآن کی چند اہم اور مفید کتب

اسوۂ رسول

احکام میت

درس ترمذی

تحفۂ ازواج اسلام

فضائل اعمال

فضائل صدقات

سنن ابوداؤد

جدید فقہی مباحث

اسلامی عدالت

بائبل قرآن سائنس

کشکول فخری

رہنمائے سعادت

حیات ظفر عثمانی

آئینہ سلوک

قول بدیع

دربار رسول کے فیصلے

تعلیم الاسلام

تفہیم حجۃ اللہ البالغہ

پردہ شرعی

طریقہ حج و عمرہ

صحبت کے اثرات

سوانح حیات

نامور مسلم سپہ سالار

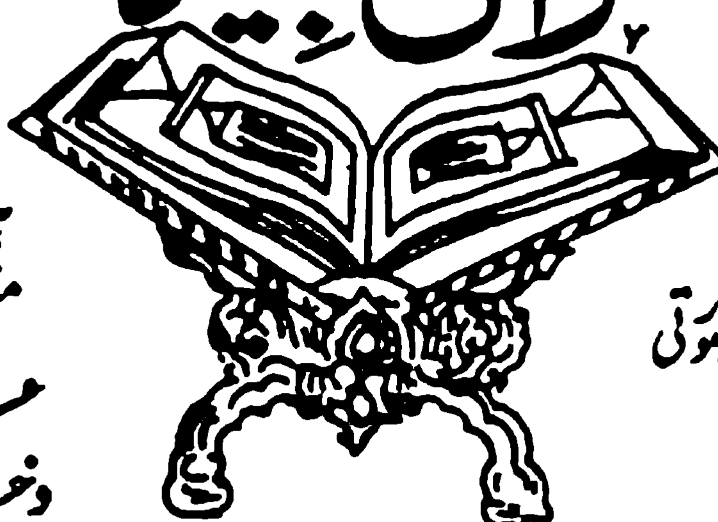
ولذکر اللہ اکبر

ادارۃ القرآن کراچی

مرکز کتب
حدیث وفقہ
عربی
اردو، انگریزی

ادارۃ القرآن کراچی کے
شائع کردہ
قرآن مجید

مرکز اسلامی
مطبوعات
پاکستان، بیروت
و بلاد عربیہ



صحت
معیار اور خوبصورتی
کے
اعتبار سے

ہر جگہ
مقبول
عام
وخاص

ہر صفحہ آیت پر ختم، مختلف اقسام کے مترجم، غیر مترجم
جلی وخوشنما، حسین ترین کتابت کے ساتھ، قرآن مجید
اور سپارہ سیٹ، بڑے، درمیانے، حمائل وجیبی سائز
میں پاکستان کے تمام بڑے مراکز کتب میں دستیاب ہیں۔

(مکمل فہرست کتب مفت حاصل کریں)

Center For Arabic, Inglish, Urdu Computer Composing

ناشران قران مجید واسلامی عربی اردو انگریزی کتب۔

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

۴۳۷ ڈی۔ گارڈن ایسٹ لسبیلہ چوک۔ کراچی نمبر ۵ پاکستان

فون Ph: 7216488 - 7223688

Printer, Publisher, Bookseller & Exporter Of The Holy Quran, Islamic, Arabic, Inglish & Urdu Books.

مرکز مطبوعات پاکستان، بیروت وبلاد عربیۃ، عربی، اردو، انگریزی کمپیوٹر کمپوزنگ

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U47263

ہماری مطبوعات

جواھر الفتاوی

مصنف: حضرت مولانا مفتی عبد السلام صاحب چاٹگامی
مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

اعضاء انسان کا احترام اور طب جدید

مصنف حضرت مولانا مفتی عبد السلام صاحب چاٹگامی
قیمت ۲۶/- روپے

فوائد نجیبہ شرح فوائد عجیبہ مترجم اردو

مصنف: محقق عصر شیخ ابن عابدین مصری رح
قیمت ۷/- روپے

تسهیل الارشاد شرح ارشاد الصرف

قیمت ۲۸/- روپے

تعزیرات اسلام

قیمت ۲۶/- روپے

اس کے علاوہ ہر قسم کی درسی و غیر درسی مستند کتب ہمارے ہاں دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ مقابل جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۵/۱

حضرت مولانا
مفتی عبدالسلام صاحب مدظلہ العالی
کی دیگر تصانیف

☆ جواہرالفتاوی جلد اول
☆ جواہرالفتاوی جلد دوم
☆ جواہرالفتاوی جلد سوم
☆ انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور اس کے شرعی احکام
☆ اسلام کا قانون شہادت اور خواتین اسلام
☆ اسلامی معیشت کے بنیادی اصول
☆ اسلام میں اولاد کی تربیت اور اس کے حقوق (زیر طبع)

ملنے کا پتہ

ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ
بی-۳۴ گارڈن ایسٹ کراچی (پاکستان)
فون ۷۲۱۶۴۹۹-۷۲۲۳۶۹۹

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی